بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

جلد نمبر ۵۳ — ۲۵؍فروری ۲۰۱۶ء مطابق ۱۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ — شمارہ نمبر ۸

اس شمارے میں

شعروادب

علوم دیں کے دیے جلائیں............	وصف الرحمٰن واصف نظامی	۲

اداریہ

اسلامی اخلاق وکردار کا جوہر	شمس الحق ندوی	۳

خیر امت

ہمارا کردار غیر مسلموں میں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۵

اسلام اور مغرب

اسلام کے مقابلہ میں بیمار......	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۷

فکر معاصر

اسلام مکمل اور جامع نظام زندگی	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۰

راہ عمل

نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہمیں آواز دیتا ہے	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۳

اسوۂ رحمت

عشق رسول ﷺ کے تقاضے	عبد الغفار عزیز	۱۶

نسخۂ شفا

نسبت قرآنی	مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی	۱۷

مردمومن

مولانا عبد الباری جوار رحمت میں	جاوید اختر ندوی	۲۲

کاروان علم ودعوت

دینی تشخص کا بقا سب سے اہم مسئلہ	محمود حسن حسنی ندوی	۲۴

علم نافع

تعلیم کا مقصد انسان بننا اور بنانا	سید سبحان ثاقب ندوی	۲۷

فقہ و فتاویٰ

سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۱

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

- مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری
- محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007, Ph.:0522-2740406
www.nadwatululama.org, E-mail: tameer1963@gmail.com
Office Time : 07 AM to 1:30 PM

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرتعاون 300/- | فی شمارہ 15/- | ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے $60 ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر 30/= ₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعروادب

علومِ دیں کے دیے جلائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

وصف الرحمٰن واصفؔ نظامی

دلوں سے بغض و حسد مٹائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے
ہر اک کو بڑھ کر گلے لگائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

یہ ہندو مسلم، یہ سکھ عیسائی، ہیں سب ہی آپس میں بھائی بھائی
دلوں سے نقشِ دوئی مٹائیں پیامِ انسانیت یہی ہے

بشکل انسان بھیڑیا ہیں، جو ہر دم آمادۂ جفا ہیں
انھیں وفا کا سبق پڑھائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

سمائی ذہنوں میں دہریت اب رہا نہ کوئی کسی کا مذہب
جو راہ سیدھی ہے وہ دکھائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

رہی نہ تعلیم میں ہدایت، ہے پھیلی تاریکیٔ جہالت
علوم دیں کے دیے جلائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

غریب ومفلس وطن کے باسی، ہے روح جن کی شدید پیاسی
ہم ان کو راحت کی مے پلائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

جو آدمی پر گزرہی رہی ہے   کو اس کی خبر نہیں ہے
وہ اہل فکر و نظر بتائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

مٹا کے دل سے کدورتوں کو بھریں دلوں میں مسرتوں کو
خلوص کے مشعلیں جلائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

یہ خالصؔ تحریک بواؔ   ہے ہدایتوں کا یہ ایک چمن ہے
روش روش اس کی ہم سجائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

اداسیاں دور ہوں گی واصفؔ یہ آرہی ہے صدائے ہاتف
کہ مل کے ہم سب قدم بڑھائیں، پیامِ انسانیت یہی ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

اسلامی اخلاق وکردار کا جوہر

شمس الحق ندوی

امت مسلمہ اس وقت طرح طرح کے مسائل سے دوچار اور خطرات سے گھری ہوئی ہے، ہر سطح اور ہر موڑ پر اس کو مشکلات کا سامنا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، تاریخ اسلام میں بار بار ایسے حالات پیش آتے رہے ہیں، وہ جن کو روشنی سے بیر ہے اور روز اول سے اسلام کے خلاف برابر سازشیں کرتے رہے، ایسی کہ قرآن نے ان کے مکروسازش کو ان الفاظ میں ذکر کیا: " وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ" (گو ان کی تدبیریں ایسی غضب کی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں)، جب قرآن مجید ان سازشوں کی حقیقت کو اس طرح بیان کرے تو کیا کہا جاسکتا ہے، کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ شاید اب اسلام کا چراغ گل ہو جائے گا، لیکن چونکہ اس امت کا وجود قیامت تک کے لیے برپا کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا سفینہ طوفانی موجوں میں گھر گھر کر ساحل سے ہمکنار ہوتا رہا ہے، ہر نازک گھڑی میں کچھ ایسے مردان کار سامنے آتے رہے ہیں، جنھوں نے اپنی فراست مومنانہ، کردار قلندرانہ، حلم وصبر اور جوش کے بجائے ہوش سے کام لے کر خیر امت ہونے کی لاج رکھی ہے اور بگڑے بپھرے ہوؤں کو نہ صرف ٹھنڈا کیا ہے بلکہ ان کو اپنے اس کردار وگفتار سے جو اللہ کی برہان کا کام کرتا ہے اپنا اسیر بنالیا ہے ع

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

اگر ذرا غور وفکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک مسلمان اپنی طبعی اور فطری ضرورتوں کے اعتبار سے تو عام انسانوں کی حیثیت رکھتا ہے، ان تمام حالات سے بھی دوچار ہوتا ہے جن سے دوسرے انسانوں کو گذرنا پڑتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنے وجود انسانی میں قانون طبعی کا ویسا ہی تابع ہے جیسے اس کے مثل اور دوسرے انسان! انقلاب زمانہ اور حوادث روزگار اس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برت سکتے محض اس لیے کہ اس کا کوئی خاص نام ہے اور اس کا تعلق کسی خاص نسل سے ہے، بہرحال بندہ مومن کو بحیثیت انسان کے ان تمام طبعی مراحل ومشکلات سے گذرنا پڑے گا جس سے دوسرے انسان گذرتے ہیں۔

لیکن بندہ مؤمن دوسرے انسانوں سے اس اعتبار سے بہت ممتاز بلکہ باعث رشک ہے کہ جب وہ ان مشکلات وپریشانیوں میں صبر وضبط اور حلم وعفو سے کام لیتا ہے اور اس کو اپنے مالک کی طرف سے سمجھتا ہے جو اس کی حکمت بالغہ وخفیہ کی وجہ سے پیش آرہا ہے تو اس پر اس کو نہ صرف یہ کہ اگلی دنیا کا اجر وثواب ملتا ہے بلکہ اس دار فانی میں بھی اس کو سکون قلب اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، جس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

"اِنْ تَکُوْنُوا تَأْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ یَأْلَمُوْنَ کَمَا تَأْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ مَا لَایَرْجُوْنَ" (اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں، اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے)۔ اور "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (اور سن رکھو خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں)۔

یہ ذکر صرف بندۂ مومن ہی کو حاصل ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان دو حیثیتوں میں بٹا ہوا ہے اس کی ایک حیثیت تو وجود انسانی کی ہے اور دوسری حیثیت وجود ایمانی کی ہے۔

اس کی دوسری حیثیت یعنی وجود ایمانی سے اپنے اندر ایک پیام رکھتا ہے جو انبیاء کا پیام ہے، بندۂ مومن کا یہ وجود ایمانی اس کو دنیا کے تمام انسانوں سے ممتاز کر دیتا ہے، ایک مسلم کی توحید خالص اسے بندۂ انسان اور بندۂ مال وزر ہونے سے علیحدہ کر دیتی ہے، اس کی آفاقیت وانسانیت، وطن پرستی اور رنگ ونسل کے امتیاز کی جڑ کاٹ دیتی ہے، وہ زندگی کا ایک پیام رکھتا ہے، اس کی زندگی کا مقصد اصلی یہی پیام ہوتا ہے، اسی کی خاطر جیتا ہے اور اسی کی خاطر مرتا ہے، زندگی کی قدریں خواہ کتنی ہی بدل جائیں اور انسانی زندگی میں کتنا بڑا انقلاب کیوں نہ آجائے، لیکن اس کے اندر نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ وہ خود اپنے آپ کو

بدلتا ہے،اس کی مثال قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:" کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ"،اس کی مثال ایسے درخت کی ہے جس کی جڑیں جمی ہوں اور شاخیں آسمانوں کو چھورہی ہوں،علامہ محمد اقبالؒ کے الفاظ میں ؎

نقطۂ پرکار حق مردِ خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم وطلسم و مجاز

بندۂ مومن کی یہی شان امتیازی ہے جواس کے اندر انسانیت کا درداور پیار ومحبت کی جوت جگاتی ہے اوراس کوتعمیر انسانیت کی فکر میں سرگرداں اور بے چین رکھتی ہے،اقوام عالم میں تنہا اس امت کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ احتساب کائنات کا فریضہ انجام دے،گرتوں کو اٹھائے،بگڑوں کو سدھارے اوران کی بہیمی صفات کوملکوتی صفات سے بدلنے کی کدوکاوش کرے،وہ حالات وزمانہ کے رخ پر نہ چلے بلکہ قافلۂ انسانیت کواسی رخ پر چلانے کی فکر میں سرگرداں رہے جس میں اس کی صلاح وفلاح کا راز پوشیدہ ہے،اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب یہ خوداپنے آپ کواس سانچہ میں ڈھال لے جس میں اس کا پہلا قافلہ ڈھلا ہوا تھا،جوتربیت محمدی کا آئینہ دارتھااور جس کے اخلاق وکردار نے ملکوں کوفتح کرنے سے پہلے دلوں کوفتح کرلیا تھا۔اس وقت پوری انسانی دنیا جس کرب وبے چینی کے دور سے گذر رہی ہے،اوروہ ظلمت وتاریکی کے ایسے اندھیرے میں گم ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا:" ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ،اِذَا اَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا" غرض اندھیرے میں اندھیرے ہوں،ایک پر ایک چھایا ہو جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے)۔

دنیا نے اس وقت علوم وفنون میں ترقی کا جوریکارڈ قائم کیا ہے اس کا کبھی تصور اور خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا بلکہ آنے والی دنیا کی راحت وآرام کا جب ذکر ہوتا اوروحی وزبان نبوت سے اس کی خوشخبری دی جاتی تھی تو اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا،سوچنے کی بات ہے کہ جب پتلۂ خاک ترقی کرکے اس درجہ کو پہنچ سکتا ہے تواس خالق کا وعدہ کیسے غلط ہوسکتا ہے مگران ساری ترقیات میں چونکہ وہ عنصر شامل نہیں ہے،اس لیے یہ ساری ترقیات جوانسان کی راحت رسانی کے لیے تھیں اس کے لیے بلائے بے درماں بنی ہوئی ہیں،سب کچھ ہے لیکن سکون چین نہیں ہے،انسان خوداپنے جیسے انسانوں کا شکاری بنا ہوا ہے،کچھ سعید روحیں جب سکون کی تلاش میں بے چین پھرتی ہیں توان کوان تعلیمات میں سکون ملتا ہے جوان کے رب نے ان کے لیے اپنے کلام پاک میں اپنے نبی کے ذریعہ سے اتاری ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے کم وکاست ان کو برت کراور عمل کرکے دکھایا ہے،وہ سعید روحیں جب ہر طرف سے آس توڑکران کو پڑھتی ہیں اوران کا مطالعہ کرتی ہیں توان کو یہیں چین نظر آتا ہے اوراپنے کوانھیں تعلیمات کے حوالہ کردیتی ہیں،یعنی اسلام قبول کرلیتی ہیں۔

اب اگر ہم مسلمان ان تعلیمات اسلامی کا اپنے اخلاق وکردار،رفتاروگفتار،معاملات وسلوک میں مظاہرہ کریں تو پھر کس تیزی کے ساتھ بھولی بھٹکی روحیں اس کی طرف بڑھیں گی،اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کریں،جس کو کسی ایک مردمومن نے پیش کیا ہے تو ہزاروں لاکھوں انسانوں نے تاریکیوں سے نکل کراس روشنی میں پناہ لی ہے ع

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

کاش کہ ایسا ہوتا ع

یک حرفِ کاش کیست کہ صد جا نوشتہ ایم

حالات وواقعات بتاتے ہیں کہ انسانیت ابھی بالکل مردہ نہیں ہوئی ہے ، کچھ مخلص و باکردار لوگ انسانیت کی صدالگائیں تو ان کی آواز صدا بصحرا نہیں ثابت ہوگی،مغربی تہذیب اور میڈیا کی حیاسوز،انسانیت سوزنشریات نے خودغرضی ومفاد پرستی کواس درجہ کو پہنچا دیا ہے جس نے سماجی وخاندانی نظام کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے،پھرسکون وچین ملے تو کہاں سے!اسی لیے بے چین روحیں سکون کی تلاش میں اسلام کے شجر سایہ دار کی طرف بڑھ رہی ہیں،جن کا ذکر میڈیا میں کم آتا ہے،لہٰذاان ساری سازشوں اوراسلام دشمن منصوبوں کے باوجود ہمیں مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

کامیابی ونصرت خدا کے ہاتھ میں ہے اوراس کی سنت یہی ہے کہ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرماتا ہے۔

☆☆☆☆☆

خیر امت

ہمارا کردار غیر مسلموں میں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

پندرہویں صدی کے آغاز پر متعدد اہل فکر مسلمانوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ صدی اسلام کی صدی ہوگی یعنی اس میں مسلمان قوتوں کو فروغ حاصل ہوگا، اور مسلمان ابھر کر دوسری قوموں کے مقابلہ میں اٹھیں گے اور عظیم طاقت بنیں گے۔

اس خیال کے لوگوں کے سامنے دنیا میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد، جگہ جگہ نوجوان مسلم طاقتوں کا زور اور دنیا کے متعدد حصوں میں سب کی توجہ مسلمانوں پر مرکوز ہوجانا تھا، ان باتوں کو انہوں نے مسلمانوں کے شاندار مستقبل کی علامت محسوس کیا۔

ان کا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے اس کو تو مستقبل بتائے گا، باقی یہ ضرور ہے کہ ہم کو عالم اسلام کے اندر مسلمانوں کی روز افزوں بیداری کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے، اور اس میں اچھے پہلوؤں سے حوصلہ و امنگ حاصل کرنا چاہیے اور غلطیوں کے حامل پہلوؤں سے سبق لینا چاہیے اور اپنی حکمتِ عملی میں ان سے بچنے کی صورت شامل کرنا چاہیے۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی، دعوت کے عمل اور جہاد کے عمل پر مشتمل ہے اور دونوں کے لیے جناب رسول اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے پوری روشنی ملتی ہے اور اسی سے رہنمائی اور طاقت حاصل کرنا ہے، اپنے ذاتی رجحان پر نہیں لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ غیروں سے ہم کو جو تکلیفیں پہنچیں، اور طاقتور دشمنوں سے جو اذیتیں پہنچیں، انہوں نے ہم میں ایک ردِ عمل پیدا کر دیا جو انتقامی جذبہ کی صورت میں جگہ جگہ ظاہر ہو رہا ہے، انتقام لینا ہر مظلوم کا حق ہے اور اگر مظلوم میں انتقامی کیفیت پیدا ہوئی تو اس کے اس طرزِ عمل کو بغاوت کی بات سمجھی جائیگی، اور مظلوم کو اسلام کی طرف سے انتقام کا پورا حق دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ صحیح نہیں کہ انتقامی جذبہ میں خطا کار اور بے خطا کار کا فرق نہ کیا جائے، اور ظالم سے غصہ ہو کر اس سے تعلق رکھنے والے ایسے شخص پر بھی غصہ اتار دیا جائے جس نے ظلم نہیں کیا۔ پھر یہ دیکھنا عقل کی بات ہے کہ انتقام لے لینے اور غصہ اتار لینے کے علاوہ بھی کوئی دوسری بات نفع بخش ہوسکتی ہو تو اس پر بھی غور کیا جائے اور اختیار کرنے کے لائق ہو تو اختیار کیا جائے اور ظالم کا مطالعہ کیا جائے، اور یہ دیکھنے کی کوشش کی جائے کہ اس کے ظلم کے نیچے کوئی ایسا سبب تو نہیں جس کا تعلق ہماری کسی کمزوری یا غلطی سے ہو۔

نبی آخر الزماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا کام دعوت سے شروع کیا۔ اور دعوت میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و وحدانیت کو تسلیم کرایا اور بندگی کے تقاضے پورا کرنے کے ساتھ ساتھ عام انسانی ہمدردی اور مکارمِ اخلاق کو وطیرہ بنایا، یہی وجہ تھی کہ لوگوں کو آپؐ کی دعوت سے اختلاف بلکہ مخالفت کے باوجود آپؐ سے ہمدردی تھی جو آپؐ کو امانت دار سچا، اور نیک طبیعت سمجھنے کے واقعات سے ظاہر ہے۔ ابوجہل نے ایک بار آپؐ کو سخت زبانی ایذا پہنچائی، آپؐ نے موقع ایسا محسوس کیا کہ سخت لفظ استعمال فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں وہ بات لایا ہوں کہ جس کے ذریعہ تم لوگ کٹو گے، اس پر لوگ یہ کہنے لگے، محمد صاحب آپؐ تو نادرست اور ناگوار رویہ اختیار نہیں کیا کرتے تھے، یعنی دشمنوں نے شہادت دی کہ آپؐ کا رویہ عموماً صبر کا رہا۔

آپؐ جہاں نرم اور متحمل تھے کہ آپؐ کے دشمن بھی یہ کہیں کہ آپؐ ایسا سخت رویہ اختیار نہیں کرتے تھے وہاں یہ بات بھی تھی کہ جہاد و قتال کا موقع آیا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے بھی ضرب و قتال کیے، اور اس میں کوئی ڈھیلا پن نہیں اختیار کیا، آپؐ کی مکی زندگی اپنا علاحدہ رنگ رکھتی ہے اور مدنی زندگی علاحدہ رنگ اور دونوں میں کبھی کبھی وہ لمحات بھی آئے جس میں طرز مختلف ہوجاتا، یہ سب موقع و محل کا لحاظ رکھنے اور مقصد پر نظر رکھنے کی وجہ سے ہوتا تھا، چنانچہ طائف جب آپؐ ہمدردی حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں ہمدردی نہیں ملی، بلکہ نہایت غیر انسانی طریقہ سے آپ کو مایوس کیا گیا اور اذیت پہنچائی گئی تو اس پر خدائے تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک فرشتہ بھیجا گیا کہ آپؐ کہیں تو پہاڑوں کے درمیان یہ رہتے ہیں پہاڑوں سے دبا دیے جائیں آپؐ نے دکھے دل کے باوجود یہ فرمایا کہ نہیں اگر یہ نہیں تو ان کی اولا د حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائے گی۔

ہم اگر مسلمانوں کے درمیان رہ رہے ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ اور اگر غیر مسلموں کے درمیان ہیں تو ہماری کیا ذمہ داری ہے؟ رواداری برتنے کے حالات کون سے ہیں اور انتقامی جذبہ اختیار کرنے کے کون سے ہیں؟ پھر یہ دیکھنا کہ محض دشمن کی شرپسندی سے حالات میں خرابی ہے یا ہماری کوتاہی اور بے توجہی کو بھی دخل ہے، ان

باتوں پر نظر رکھتے ہوئے طریقۂ عمل اختیار کرنا سمجھداری ہے۔

ان باتوں کا اگر ہم منصفانہ جائزہ لیں تو کم از کم ہندوستان کے اس ملک میں ہماری کوتاہی کا بھی اچھا خاصا حصہ نکلے گا، ہم نے اسلام کی تعلیمات کو واضح کرنے اور مسلمانوں کے انسانیت دوستی کے کردار کا مظاہرہ کرنے میں بڑی کوتاہی کی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض وقت ہم کو اپنے پڑوس میں کئی کئی دہائی تک غیر مسلموں سے واسطہ پڑا ہے لیکن ان کو یہ تک نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام میں غیر مسلم کے ساتھ کیا کردار بتایا گیا ہے اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسلام کا موٹا موٹا مطلب کیا ہے اس کے برعکس اس کو مسلمانوں سے خوف معلوم ہوتا ہے، اس نے صرف یہ سنا ہے کہ مسلمانوں کے اسلاف صرف مار دھاڑ کرتے رہے، اور اب ان کے یہ اخلاف بھی کچھ ایسے ہی خطرناک جذبات کے لوگ ہیں، پھر ان کو ان کے لیڈر اور بھی جھوٹی سچی باتیں بتا کر ان مسلمانوں سے بالکل مشکوک بنا کر نفرت سے دل بھر دیتے ہیں، ایسی صورت میں کیا ہماری یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ ہم اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کو اسلام کے متعلق اور مسلمانوں کے متعلق بتائیں؟ ان کی صحیح تصویر ان کے سامنے رکھیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں ایک اعلیٰ تصور پیدا کرنے کی کوشش کریں؟

اس ملک میں غیر مسلموں کا اسلام کے بارے میں تصور صحیح کرنے کی کوئی صورت نہیں رہی، اس کام کی طرف توجہ کم سے کم تر ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جس میں متعدد المذاہب قومیں رہتی ہیں اور مسلمان اقلیت میں بھی ہیں، غیر مسلموں کی اسلام و مسلمانوں کے بارے میں جو غلط معلومات ہیں ان کو درست کرنے کی کوشش بہت ضروری ہے اور اسلام کا جو روشن چہرہ ہے اس کو دکھانے کی کوشش کرنا بہت بڑی ذمہ داری ہے یہ کام دعوت کا بھی ہے اور دعوت کا کام دیگر تمام طریقوں پر مقدم اور ان سے افضل ہے، اس کے بعد دوسرے طریقے آتے ہیں جن کو حسب موقع وحسبِ ضرورت اختیار کیا جاسکتا ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف تو مسلمانوں نے وہ تمام اخلاقی اور انسانی کمزوریاں اور برائیاں اختیار کرلی ہیں جو غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں اور محض مردم شماری کے لحاظ سے مسلمان ہونے پر یہ توقع قائم کئے ہوئے ہیں کہ غیر مسلموں سے ان کے سب اختلافات معرکۂ حق و باطل ہیں اور مقابلہ پڑ گیا تو غزۂ بدر جیسی مددان کے لئے بھی آئے گی۔ اس وقت افسوسناک صورتِ حال یہ ہے کہ ہماری سیرت و کردار کمزور، ہماری سنجیدہ کوشش و جدوجہد ناقص، ہماری حکمت عملی غیر مدبرانہ، ہمارے جذبات بے قابو، ہمارا تعلق مع اللہ مشکوک اور غیروں میں ہمارا تصور خراب ہے، ایسی صورت میں صرف طاقتِ لسانی اور گرم لہجے اور گرم مظاہروں سے کہاں تک کام چل سکتا ہے؟ ہمارا کام سنجیدگی کے ساتھ موقع و محل کا لحاظ کرتے ہوئے حکمتِ عملی اختیار کرنے، اپنے کردار کو درست کرنے اور نرم گرم دونوں موقعوں کے لیے حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اجتماعی زندگی کے مختلف النوع حالات سے نمٹنے کی جو سنت رہی ہے اس کو اختیار کرنے سے ہی چلے گا، اس حقیقت کو ہمارے قائدین کو بھی سمجھنا ہے اور عام مسلمانوں کو بھی سمجھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح توفیق دے۔

☆☆☆☆☆

حیات اجتماعی و شرعی حیات انفرادی پر افضل ہے!

اسلام کے نظام اجتماعی کی نسبت کسی شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں، علی الخصوص ایک ایسے مجمع میں جیسا کہ فضل و توفیق الٰہی سے اس وقت میرے گرد و پیش موجود ہے، اسلام نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لیے بنیادی حقیقت یہ قرار دی ہے کہ کسی حال میں بھی فرادیٰ، متفرق، الگ الگ اور منتشت نہ ہوں، ہمیشہ مجتمع، مؤتلف، متحد اور نفس واحدہ ہو کر رہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں جا بجا اجتماع و وحدت پر زور دیا گیا اور کفر و شرک کے بعد کسی بدعملی سے بھی اس قدر اصرار و تاکید کے ساتھ نہیں روکا جیسا کہ تفرقہ و تشتت سے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کے تمام احکام اعمال میں یہ حقیقت اجتماعیہ بمنزلۂ محور و مرکز کے قرار پائی اور تمام دائرۂ عمل اسی کے گرد قائم کیا گیا، عقیدۂ توحید سے لے کر تمام عبادت و اعمال تک یہی حقیقت مرکزیہ جلوہ طرازی کر رہی ہے، اور اسی بنا پر بار بار نظم جماعت پر زور دیا گیا: "علیکم بالجماعة والسمع والطاعة" [رواہ الترمذی] اور "علیکم بالجماعة فان الشیطان مع الفذ وھو من الاثنین ابعد" [رواہ البیہقی] اور "اذ کان ثلاثة فی سفر فلیؤم واحد کم" [رواہ اصحاب السنن] اور اسی لیے نظم قوم و ملت کے لیے منصب خلافت کو اطاعت قرار دیا گیا کہ تمام متفرق کڑیاں ایک زنجیر میں منسلک ہو جائیں۔ .... مولانا ابوالکلام آزادؒ

اسلام اور مغرب

اسلام کے مقابلہ میں بیمار ذہنیتوں کا رول

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے نا آشنا افراد اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ دینِ متین کا وہ کونسا محور ہے، جو تمام تہذیبی وتمدنی فلسفوں اور نظریات پر حاوی ہے، ادیان وملل کا تقابلی مطالعہ کرنے والوں، اور غیر جانبداری کے ساتھ مذاہب کا علم رکھنے والوں سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیمات ہی وہ تعلیمات ہیں جنھیں بقا ودوام حاصل ہے۔ چنانچہ جب اس کی تعلیمات سدا بہار، فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ اور قریب تر ہیں تو ان کا یہ فطری حق ہے کہ ہر زمانے میں انہیں بروئے کار لایا جائے، ہر طرح کی ترمیم واصلاحات سے انہیں محفوظ رکھا جائے اور سخت سے سخت حالات اور وقتی و عارضی منافع ومصالح کے سامنے، اس کی فعالیت اور برتری کو ثابت کیا جائے۔

مذہب اسلام کی تعلیمات کو بعض ان مذاہب کی تعلیمات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جو اپنی اصلی اور حقیقی شکل میں روئے زمین پر گنتی کے چند دن باقی رہیں، پھر تبدیل وتحریف کا شکار ہوگئیں یا اپنے عہد کے ساتھ رخصت ہوگئیں، اسلام کی تعلیمات تو زمانے کے دست وبرد سے محفوظ ہیں اور محفوظ رہیں گی، کیونکہ رب قدیر نے ہر طرح کے تغیر وتبدل سے ان کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری خود لے لی ہے، اسی حقیقت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں آشکارا کیا ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ" [حجر:۹] (کہ اس قرآن کو ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں)۔

ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذہبِ اسلام جس زندگی کو تشکیل دینا چاہتا ہے اس کا معنی ومفہوم سائنس وٹکنالوجی اور تہذیبی ترقیات کے اس دور میں دیگر تہذیبی وثقافتی اور معاشرتی وسماجی مفاہیم کے ساتھ خلط ملط ہوگیا ہے، حتی کہ یہ صورتحال اب ان مسلم تعلیم یافتہ طبقوں کے یہاں بھی دیکھنے کو مل رہی ہے جنھوں نے شریعتِ اسلامی کا عملی تجربہ نہیں کیا ہے اور نہ اسلام کے مثالی معاشرے میں زندگی گذارنے کا انہیں موقع ملا، جبکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم نے حیرت انگیز ٹکنالوجی اور اس کی ایجادات واکتشافات اور سائنس کے میدان میں مادی تہذیبوں کی رفتاروں کا مشاہدہ کیا ہے۔

دراصل بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں یہ احساس گھر کر چکا ہے کہ "اسلام" موجودہ کاروانِ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتا اور نہ مہذب ومثقف انسانوں کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل میں ہاتھ بٹا سکتا ہے، کیونکہ اس کے اندر "جدیدیت کی روح" بالکل مفقود ہے، اور اس کے پاس نت نئے مسائل کا حل موجود نہیں ہے، نئے نئے چیلنجوں سے پنجہ آزمائی اور حملوں کا منہ توڑ جواب دینے کی اس میں طاقت وقوت نہیں ہے، ایک طرف تو یہ بات ہے، دوسری طرف ان کے لیے شریعت اور اس کے حاملین پر یلغار کرنے اور ان پر رجعت پسندی، تنگ زاویہ فکر اور محدودیت کا الزام تراشنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔ جس نے ان کو نت نئے سوالوں کا جواب دینے سے عاجز کردیا ہے جو ذہنی آزادی، اخلاقی بے راہ روی، مرد وزن کو مساوات کا درجہ دینے اور ان کو، طرز عمل اور کسبِ معاش میں ایک پوزیشن پر لا کھڑا کرنے کی وجہ سے پیدا ہورہے ہیں۔

مسلمانوں کے یہ طبقے جو بظاہر اسلام کے نام لیوا نظر آتے ہیں، لیکن بباطن اسلام سے اس درجہ بدظنی رکھتے ہیں کہ اسے درویشوں اور فقیروں کا دین گردانتے ہیں، آج ان کا حال یہ ہوگیا ہے کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہورہے ہیں، خود کو تو بے وقعت وبے حیثیت کرہی رہے ہیں، ساتھ ہی ساتھ مثالی افراد کی تاریخ کو بھی داغدار کرنے کی ناکام کوششیں کررہے ہیں جن کو اسلام نے گندے ماحول، وحشیانہ سلوک، غیر فطری طرز عمل، انتہائی درجے کی ذلت وپستی اور ان جیسے دیگر بدترین احوال سے نکالا تھا، جہاں یہ اپنی زندگی کے شب و روز بسر کررہے تھے۔

یہ جماعتیں اسلام کے ہمہ گیر احسانات کو فراموش نہ کئے جانے کے باوجود فراموش کرنے کی سعی نا مشکور کررہی ہیں، کیا انہیں وہ دن یاد نہیں جب انسان ظالمانہ محکومی وغلامی کے بوجھ تلے دبا جارہا تھا، روم وایران کی متمدن ریاستوں میں قسم قسم کی شقاوتیں اور تیرہ بختیاں ان کا نصیب بن گئی تھیں، یہودیت ونصرانیت کے علمبرداروں اور دیگر حاملین مذاہب کے مابین معرکہ آرائیاں اور خانہ جنگیاں چھڑی ہوئی تھیں، جن میں ہزاروں بے گناہ لوگ جان بحق ہوئے، ایسے نازک مرحلہ میں اسلام نے جو مثالی اور تاریخی رول ادا کیا ہے اور جو درخشاں کارنامے اور زریں خدمات انجام دیئے ہیں، کیا انہیں فراموش کیا جاسکتا ہے؟۔

قرآن مجید نے اسی صورتحال اور آپس میں دست گریباں جماعتوں اور قوموں کا نقشہ اپنے معجزانہ اسلوب میں یوں کھینچا ہے: "وَاذْكُرُوْا

نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ إِذۡ كُنتُمۡ أَعۡدَاءً فَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِكُمۡ فَأَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهِۦٓ إِخۡوَانًا، وَكُنتُمۡ عَلَىٰ شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنۡهَا" [آل عمران:۱۰۳] (اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد رکھو، جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم اس کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے گڈھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں بچالیا)۔

آج بکثرت یہ دیکھنے کو مل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنہیں دولتِ اسلام سے نوازا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی توفیق دی ہے ان لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہورہا ہے کہ کیا اسلام، علم و ٹکنالوجی کے اس نئے دور میں بھی لائق تنفیذ اور قابل عمل ہے؟ چنانچہ وہ علمائے اسلام اور داعیانِ عظام پر قدیم صالح اور جدید نافع کی روشنی میں کوتاہ فہمی، زمانے کے بدلتے ہوئے حالات سے ناواقفیت و نا تجربہ کاری اور تہذیبی و تمدنی معاشرہ کی تشکیل میں ناکامی کا الزام تراشتے پھرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے مشاہدات اور مفروضہ خیالات کو ایمان و ایقان کی دولت سے مالا مال شخص پر لازم کرنے کا جواز نکال لیا ہے، اور اس "معتدل اسلام" کو پیش کرنے میں کوتاہی نہیں برتی جو حالاتِ زمانہ اور بیمار ذہنیتوں کے تقاضوں کے عین مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہو۔ اور ان کی تمنا یہ ہے کہ "امتِ مسلمہ" گردشِ دوراں اور مصائبِ زمانہ کے زد میں آجائے، وہ اس امت کے خاتمہ کے لیے غیر معمولی کوشش کرنے سے باز نہیں آرہے ہیں، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے "خیر امت" کے لقب سے سرفراز فرما کر پوری دنیا کی قیادت و امامت اور رہنمائی و ہدایت کیلئے اس صفحۂ ہستی پر مبعوث فرمایا ہے اور جنگل کے خودرو سبز گھاس کی طرح بے یارو مددگار نہیں چھوڑا۔

ان ہی فرسودہ افکار و خیالات اور کھوکھلے مظاہر کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں، ایسے کمزور عقائد رکھنے والی جماعتیں وجود میں آگئی ہیں جو شریعتِ اسلام اور اس کی ثقافت کو داغدار کرنے میں کوشاں ہیں، یورپی قائدین نے اپنے تخریبی منصوبے کے استحکام کی خاطر ان کا استحصال کیا اور وہ مسلمانوں کی معنوی صلاحیت کو مسخ کرنے اور مذہبِ اسلام کی صاف و شفاف شکل و صورت کو بگاڑنے اور اس کی روشن و تابناک شریعت کو بدصورت بنانے میں مصروف ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تخریبی افکار و خیالات کا دائرہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں متعاون ہوتا چلا جارہا ہے۔

آج قرآن وحدیث میں تحریف و تبدیل کرنے کی جو بدترین کوششیں کی جارہی ہیں، اور اس ناپاک مقصد کو پورا کرنے کیلئے جو ایک زبردست مالی بجٹ تیار کیا جارہا ہے، وہ اس میدان میں ہونے والی زبردست سرگرمیوں اور ان کے سنجیدہ اعمال کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

مقامِ افسوس ہے بلکہ زیادہ صحیح تر لفظوں میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جگر کو چاک کردینے والی بات ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنے دشمن و حریف "اہلِ مغرب" کی کوششوں اور سرگرمیوں کو تیز کرنے، ان کی نکمی و معمولی پونجی کو بڑھاوا دینے میں ان کی شریک و سہیم ہے، جبکہ اس کا دیوالیہ نکل چکا ہے اور اس کا کھوٹ دو دو چار کی طرح ہر صاحبِ بصیرت کے نزدیک عیاں اور بے نقاب ہوگیا ہے۔

"يُرِيدُونَ لِيُطۡفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفۡوَاهِهِمۡ، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ الۡكَافِرُونَ" [صف:۸] (وہ اللہ کے نور کو اپنے منھ کی پھونکوں سے گل کرنا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کرکے رہے گا، اگرچہ منکرین ناپسند کریں)۔

مغربی سامراج جو مسلم ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کررہا تھا، اس کی یہی تمنا رہتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ غلامی و محکومی کی زندگی گذارتا رہے، تاکہ وہ علم و ثقافت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کے بارے میں کچھ سوچ بھی نہ سکے اور اس کا احساسِ دوروں اور ان کی باطنی کیفیات بڑے بڑے اہم امور کے سلسلے میں بالکل ہی ختم ہوجائیں، اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کیلئے انہوں نے ایک مخصوص نصابِ تعلیم وضع کیا ہے جس کا زندگی کے تمام میدانوں میں حتی کہ معاشی مسائل میں بھی فائدہ نظر نہیں آرہا ہے۔ امتِ مسلمہ کو نقصان پہونچانے اور اس کو احساسِ کمتری کے آخری درجہ میں لانے کی جو جان توڑ اور انتھک کوششیں مغربی سامراج اور ان کے ہم نواؤں نے کی ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن اسے شومئ قسمت نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ سامراجیت کے خاتمے اور ملکوں کی آزادی کے باوجود وہ قومیں جو مدتوں مغربی سامراج کے زیر سایہ زندگی گذارتی رہیں، وہ اس دور کے انسانی معاشرے کے ناپسندیدہ متروکہ اشیاء سے بھی بے تعلق نہ ہوسکیں اور کما حقہ ان کو مبغوض و مکروہ بھی نہ تصور کرسکیں۔

اگر عالمِ اسلام اپنے فطری علوم و معارف اور قدرتی وسائل سے مالا مال نہ ہوتا تو سامراجی افراد کی مصنوعی ایجاد کردہ قحط سالیوں سے دوچار ہوجاتا، لیکن انہوں نے اس کے بجائے مسلمانوں کو ان کے ایمان و عقائد سے برطرف کرنے کی ہر ممکنہ کوششیں کیں، کبھی شریعت میں تحریف و تبدیل اور خرد برد کرکے، تو کبھی معاشرتی نظام میں لاقانونیت و بدنظمی پھیلا کر، کبھی معاشی و تجارتی معاملات میں سود کے استعمال کو ناگزیر ضرورت قرار دیکر اور کبھی

شخصی منافع اور دنیاوی مصالح کی بنیاد پر تمام تر تعلقات قائم کرکے، کبھی مسلم عورتوں کو گھروں سے نکال کرشاہراہوں پر لاکھڑا کرکے، تو کبھی سیاسی واقتصادی امور میں ان کو حصہ دلا کرکے، حتی کہ الیکشنوں اور رفاہِ عامہ کے کاموں اور سرکاری دفاتر میں ملازمت دے کر، کوئی کہاں تک گنائے، خلاصہ یہ کہ عورتوں کو مردوں کے ساتھ تمام شعبہائے زندگی میں سہیم وشریک کرکے مسلم قوموں کے عقائد وایمان اوران کی غیرت کوختم کرنے کی انہوں نے سعیٔ پیہم اور جہدِ مسلسل کی ہے۔

اس طرز کہن کے ذریعہ مادی طاقتوں سے لیس مغربی کیمپ مسلم ممالک کوشکار کرنے کی کوشش کررہے ہیں اوراب وہ ایسے اسلام نمامعاشرہ کی تشکیل کے درپے ہیں جوصرف چند ظاہری شکل و صورت ہی میں اسلام کی نمائندگی کرے، اورعقائد اور ایمانی اصولوں کا اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری اورعقائدکی برتری سےاس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

اس طرح مغربی کیمپ اقوام تاریخ اسلام کی شبیہ بگاڑنے میں کامیابی وشادکامی کی راہ پرگامزن ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ مذہب اسلام کی تہذیب وثقافت اوراس کی کتاب وشریعت کوختم کرنے میں ناکام ہی رہیں اور رہیں گی، کیونکہ اس دین کی بقاو تحفظ اور دیگر ادیان پر اسکے تفوق وبرتری اور غلبہ و تسلط کی ذمہ داری خود خالقِ کائنات نے لے لی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے: ”هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدَیٰ وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ، وَ كَفَىٰ بِاللهِ شَهِيْداً“ [فتح:۲۸] (وہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کوہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اسے ہردین پر غالب کرے اوراللہ تعالیٰ بطور گواہ کے کافی ہے)۔

☆☆☆☆☆

جناب عبدالستار یوسف شیخ کا حادثۂ وفات

ابھی چند ماہ کے اندر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کواپنے دواہم ذمہ داران (حضرت مولانا سید نظام الدینؒ جنرل سکریٹری بورڈ اور جناب محمد عبدالرحیم قریشیؒ اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ) کے سانحۂ وفات کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، اوران کاغم ابھی تازہ ہی تھا کہ ایک اورسخت حادثہ پیش آگیا، بورڈ کے سینئر سکریٹری جناب عبدالستار یوسف شیخ کی رحلت کا واقعہ ۷/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷/فروری ۲۰۱۶ء کوشام تقریباً پانچ بجے پیش آگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۹۷/برس کی عمر میں ممبئی میں انتقال ہوا، اور وہیں تدفین بھی ہوئی، نماز جنازہ اورتدفین میں جم غفیر نے شرکت کی۔

مرحوم بورڈ کے اہم اور ذمہ داررکن تھے، اور بورڈ کے قیام کے وقت سے آخری سانس تک اس کے لیے وقف رہے، اوراسی وقت سے وہ بحیثیت سکریٹری کے خدمات انجام دیتے رہے، بورڈ کا پہلا اجلاس جب ممبئی میں منعقد ہواتھا تو مرحوم ہی اس کے داعی وکنوینر تھے، اور جب ممبئی میں آخری اجلاس ہوا جب بھی وہی اس اجلاس اوراس کے استقبالیہ کمیٹی کے سرپرست رہے، مرحوم ممبئی کے ممتاز عمائدین میں شمار ہوتے تھے، اور وہاں کے بہت سے دینی اور رفاہی اداروں کے روح رواں اور سرپرست تھے۔

گذشتہ ماہ ۱۸/جنوری ۲۰۱۶ء کوحضرت مولانا سید نظام الدینؒ کے متعلق سیمینار میں انہوں نے اپنی علالت وپیرانہ سالی کے باوجود شرکت فرمائی تھی اوراس سیمینار کی سرپرستی بھی فرمائی تھی، اوراس عزم کا اظہار بھی کیا تھا کہ بورڈ کا ایک اوراجلاس ان کی سرپرستی میں اہل ممبئی منعقد کریں گے۔

ان کے انتقال پرصدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کے حادثۂ وفات کو بورڈ کے لیے بڑا خسارہ قرار دیا، اور اگلے روز جمعرات کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں تعزیتی جلسہ بھی ہوا، جس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: عبدالستار یوسف شیخ مسلم پرسنل لابورڈ کے اہم رکن تھے، وہ طویل عرصہ سے بورڈ کی خدمت انجام دے رہے تھے، بورڈ کے قیام کے دن ہی سے وہ بورڈ کے سکریٹری رہے، اور بورڈ کا پہلا اجلاس جب ممبئی میں منعقد ہوا، تو وہ اس کے داعی اور میزبان رہے، اور ممبئی کے آخری اجلاس میں بھی وہ میزبان رہے، اس کے علاوہ وہ ممبئی میں بہت سے دینی اور رفاہی اداروں کی سرپرستی فرماتے تھے، انہوں نے ۹۷/سال عمر پائی، وہ اپنی پیرانہ سالی میں بھی بورڈ کی دعوت پرتشریف لاتے تھے، ابھی قریب میں بورڈ کو یہ تیسرا بڑا نقصان اٹھانا پڑا، ابھی چند مہینے پہلے بورڈ مولانا سید نظام الدین اور جناب عبدالرحیم قریشی کے حادثہ کا نقصان اٹھاچکا ہے، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

اس جلسہ سے مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے بھی خطاب کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے مرحوم کے گہرے ومخلصانہ روابط وتعلقات پر تفصیلی روشنی ڈالی اوران کی دینی، ملی اور رفاہی خدمات کوسراہا، جب کہ نظامت مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری نے کی، اورصدر محترم کی دعا پر یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ [ابوفرحان ندوی]

فکر معاصر

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام زندگی

تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، ولادت سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک انسانی ضروریات اور معاشرتی تقاضوں کو پورا ہی نہیں کرتا؛ بلکہ اس کے لیے صحیح اور واضح رہنمائی بھی پیش کرتا ہے، اسلام کا جامع نظامِ زندگی مختلف شعبوں پر مشتمل ہے جو آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے اگر جدا کردیا جائے تو مکمل اسلامی نظام حیات کا تصور باقی نہیں رہ سکتا، بالکل اسی طرح جیسے کسی عمارت کی تشکیل میں کتنا ہی مضبوط، ٹھوس اور مفید تعمیراتی سامان (Building Materia) استعمال کیا جائے، لیکن اس عمارت کو کسی تعمیری منصوبہ اور پلان کے تحت اور اس کے مختلف اجزاء کو آپس میں کوئی مضبوطی پیدا کرنے والی شے سے جوڑ کر نہ بنایا جائے، تو یہ تعمیری ڈھانچہ کھڑا تو ہوسکتا ہے؛ لیکن پائیداری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور ہر آن اس کے گرنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

کچھ اسی طرح کی صورت حال موجودہ اسلامی معاشرہ کی ہے، جہاں بہت سے افراد، تحریکیں اور جماعتیں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی دینی، ملی، سماجی اور معاشرتی طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی وکامیابی کے لیے جدوجہد کررہی ہیں، سب کا اپنا ایک الگ لائحۂ عمل اور جدا طریقۂ کار ہے، منہج اور طریقۂ کار کا الگ ہونا کوئی اہم مسئلہ نہیں، یہ ایک فطری چیز ہے؛ لیکن کسی خاص طریقۂ کار اور فکر کو مضبوطی سے پکڑ لینا، اسی پر جم جانا، اسی کو دین کی اہم خدمت بلکہ عین اسلام سمجھ لینا اور دیگر افراد و جماعتوں کے ساتھ تعاون و اتفاق نہ کرنا بعض دفعہ ایسے سنگین حالات پیدا کردیتا ہے کہ اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے اور اسلام سے کلی تعلق اور اس کی دعوت کے بجائے جماعتی اور گروہی رجحان اور اس کی حمیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے، اس طرح یہ کوششیں خالص اسلام کی طرف پہنچنے اور اس کی صحیح تعلیمات کو سمجھنے میں حائل ہوجاتی ہیں اور رفتہ رفتہ شدت و بے اعتدالی پر مبنی اختلافات اسلام کی صاف ستھری شکل کو بگاڑ دیتی ہیں۔

اس قسم کا انتشار اور اختلافات خاص وجوہات کی بنا پر پیدا ہوئے، اور اسلامی کاز کے میدان میں کام کرنے والوں نے کسی ایک پہلو کو اختیار کرلیا اور اسی پر جم گئے، مثال کے طور پر کچھ لوگوں نے اصلاحی مراکز قائم کیے اور بس اسی پر قانع ہوکر رہ گئے، کہیں لوگوں نے مسلمانوں کی اجتماعی خدمت کو ہی دین سمجھ لیا، کچھ لوگوں نے صرف دینی تعلیم ہی کے ساتھ اپنے کو خاص کرلیا تو کہیں عصری تعلیم کو ہی ترقی وکامیابی کا واحد راستہ سمجھ لیا گیا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی کوششیں سودمند ثابت نہیں ہورہی ہیں۔

اس وقت عالم اسلام میں بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے اپنے طریقہ پر اسلام اور مسلمانوں کے لیے کام کررہی ہیں، لیکن ان کی تمام تر کوششیں انفرادی نوعیت کی ہیں جن میں باہم ایک دوسرے سے کوئی تعلق اور اتفاق نہیں، بلکہ بہت سی ایسی تحریکات ہیں جو محض نقطۂ نظر اور منہج کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی سخت مخالف ہیں؛ بلکہ ایک دوسرے کو منحرف سمجھتی ہیں، یہ ایسے افراد اور جامع شخصیات کے فقدان کی وجہ سے ہے جو دین اسلام کو اصل بنیاد اور جامع نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کریں اور منتشر کوششوں میں ربط و ہم آہنگی اور اتحاد و اتفاق پیدا کریں تاکہ مسلمانوں کی توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع نہ ہوں۔

مسلمانوں کی پریشانی یہ نہیں کہ اسلام ان کی زندگی میں بالکلیہ نظر نہیں آتا اور اسلامی تعلیمات کے عملی نمونے پائے نہیں جاتے، صاف اور صحیح عقیدہ کے ماننے والے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے والے افراد بھی ہیں، عبادات، اخلاق اور معاملات کی درستگی پر بھی توجہ دی جارہی ہے، دعوت الی اللہ اور تبلیغ اسلام کی کوششیں بھی ہورہی ہیں، اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ (جان و مال) قربان کرنے کا جذبہ بھی مسلمانوں میں موجزن نظر آتا ہے، غرضیکہ معاصر زندگی میں اسلامی زندگی کے ہر شعبہ کی نمائندگی موجود ہے، لیکن پریشانی کا باعث یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہتر صورت حال کے لیے ان سب کوششوں کے باوجود کوئی قابل قدر نتیجہ ظاہر نہیں ہورہا ہے، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کوششیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ اور منتشر ہیں؛ بلکہ کہیں کہیں ٹکراؤ کی صورتحال ہے، ہر تحریک اور جماعت اپنے ہی دائرہ کار میں محدود اور اسی سے کلی طور پر منسلک ہے، ان کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں یا وہ چاہتے ہی نہیں کہ دوسرے کام کرنے والوں اور ان کے طریقۂ کار کو

سمجھیں، ان کی طرف اتفاق وتعاون کا ہاتھ بڑھائیں، مثال کے طور پر کوئی تنظیم یا جماعت مسلمانوں میں تعلیم وتربیت کے لیے سرگرم ہے تو وہ اسی کو سب سے اہم ضرورت اور اسلام کی خدمت سمجھتی ہے، اگرچہ اسی علاقہ یا دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں میں ارتداد پھیل رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھتی ہے، کچھ افراد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہیں، مگر اسی علاقہ کے مسلمانوں میں جہالت یا غربت عام ہے، لیکن انہیں اس سے بالکل سروکار نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کی فکر کریں، بالآخر وہ مسلمان غیروں کا سہارا لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کچھ افراد اگر عوامی ورفاہی خدمت، سماجی اور معاشی مسائل حل کرنے کی فکر میں ہیں تو وہ اصلاح نفس، تعلق مع اللہ، اسلامی اخلاق، دعوت وتبلیغ، آپسی بھائی چارہ جیسے اہم امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ نتیجۃً بہت سے مسائل اور مشکلات ایسی ہیں جن سے اسلامی معاشرہ مسلسل دوچار ہے لیکن ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ سب اپنے اپنے میدان عمل میں محدود ہیں، بہرحال مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی جو بھی کوششیں ہورہی ہیں وہ تمام مسلمانوں کے لیے ناکافی ہیں، صرف انہیں کوششوں اور سرگرمیوں پر اکتفا کرتے ہوئے عمومی تبدیلی اور بیداری کی امید کرنا محال ہے۔

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی ترقی وفلاح کے لیے جو کوششیں ہورہی ہیں اور جن کے غیر معمولی نتائج ہمارے سامنے ہیں، وہ لائق قدر وستائش ہیں اور جو لوگ ان کو انجام دے رہے ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں، وہ اپنے اس عمل ومحنت پر عند اللہ ماجور ہوں گے، لیکن پوری امت اسلامیہ کی ترقی وکامیابی کی فکر مشترکہ تعاون اور آپسی اتفاق کے بغیر بہت دشوار ہے، بحیثیت مجموعی امت کے یہ فکر اور کوششیں اسوقت بارآور اور نتیجہ خیز ہوسکتی ہیں جب مسلمانوں کی تمام جماعتیں اور تنظیمیں جو مختلف میدانوں میں دین کا کام کررہی ہیں، آپسی تعاون اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں، اگرچہ شروع میں محدود پیمانہ پر ہی یہ کوششیں جاری ہوں، مگر اس طور پر ہوں کہ دین کے تمام شعبے، عبادات، اخلاق، معاملات، تعلیم وتربیت، خدمت خلق اور دعوت وتبلیغ سب ایک ساتھ جمع ہوجائیں اور مسلمانوں میں خاص طور سے دین کا کام کرنے والے افراد میں ایسے لوگ ہوں جو ان خصوصیات کے جامع ہوں، تاکہ امت کے تمام افراد اسلام اور مسلمانوں کی عزت ونصرت کے لیے ایک طاقت کے طور پر متحد ہوجائیں، دشمن کے فریب اور خطرات سے واقف ہوں اور اس کے لیے مناسب حکمت عملی اختیار کریں۔

اسلام نے مسلمانوں میں اختلاف وتفریق کو بہت ناپسند کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بڑی تاکید کے ساتھ اتحاد اور باہم مل جل کر رہنے کا حکم فرمایا ہے، اور مثال دے کر اس کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً" (مومن اپنے بھائی کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں)۔[متفق علیہ]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "المسلم أخو المسلم لايخونه ولا يكذبه ولا يخذله كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله ودمه، التقوى ههنا" مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کے ساتھ خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کو رسوا اور شرمندہ کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزت وآبرو، اس کا مال اور اس کا خون، تقوی اس جگہ ہے (اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا)۔[ترمذي]

ایک دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے: " لا تحاسدوا ولاتناجشوا، ولا تباغضوا، ولاتدابروا، ولا يبع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله إخواناً" (باہم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور کسی کے سودے پر سودا نہ کرو، اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے اعراض کرکے اس کو نہ چھوڑو اور بعض کی بیع پر تم میں سے کوئی دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے قیمت نہ بڑھائے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو)۔[رواہ مسلم]

" لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے)۔[بخاری ومسلم]

"والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل ومن يا رسول الله؟ قال: الذي لا يأمن جاره بوائقه" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ نے دریافت کیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو)۔[متفق علیہ]

" لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين"

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوجاؤں)۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے والے کا ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی اہمیت کو انسانی جسم سے تشبیہ دے کر سمجھایا: ''مثل المؤمن في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى'' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے ،رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی عضو (حصہ) میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کا اس درد میں شریک ہوجاتا ہے)۔

اسلام ایک زندہ اور تندرست انسانی جسم کے مانند ہے، جس کی تمام مؤثر کارکردگیاں اور صلاحیتیں اسی وقت ظاہر ہوں گی جب اس کے تمام شعبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کا کام کیا جائے اور یہی پوری امت مسلمہ کے لیے دعوت دین کی ذمہ داری ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم معاصر مادہ پرست تحریکوں کی پیروی اور نقالی کرنے کے بجائے اپنے ماضی کے بے مثال تجربوں اور واقعات سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو سامنے رکھ کر دین کا کام کریں، اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا راز اسی میں ہے کہ مسلمان مکمل طور سے اسلام کو اپنائیں، اس لیے کہ قرآن کریم مکمل اسلام چاہتا ہے: ''ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً''۔

(ترجمہ: محمد سالم سولنکی)

سید احمد شہید اکیڈمی کی تازہ پیش کش

☆ اسلامی عقائد - قرآن وسنت کی روشنی میں

اسلام کے بنیادی عقائد کا تفصیلی تعارف، ان عقائد کی حساسیت اور اس سلسلہ میں عوامی کوتاہی وغفلت کی نشاندہی، نہایت آسان اور سہل اسلوب میں ایک علمی تحفہ، عوام وخواص کے لیے یکساں مفید۔

صفحات: ۱۵۲ قیمت: ۷۰/روپے

☆ اسوۂ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی رحمت اللعالمینی کو حقائق وواقعات کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے، نیز آپ ﷺ کی ان تعلیمات اور ہدایات کا بیان ہے جو سراپا رحمت ہیں۔ دنیا کے پر تشدد ماحول میں اسوۂ رحمت ہی ساری دنیا کے لیے راہبر ہے۔

صفحات: ۱۰۴ قیمت: ۴۰/روپے

رابطہ: سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دار عرفات، میدان پور، تکیہ کلاں رائے بریلی۔ موبائل: 9919331295

علمی، فکری وتحقیقی پیش کش

☆ شیعیت - تحلیل وتجزیہ

تالیف: محمد نفیس خاں ندوی

شیعوں کی تاریخ ان کے عقائد ونظریات اور مذہبی رسومات کی تفصیلات نیز اسلام واہل اسلام پر شیعوں کے اعتراضات اور ان کے علمی وتحقیقی جوابات۔

صفحات: ۳۳۶ قیمت: ۲۰۰/روپے

ناشر: ادارہ اشاعت حق - لکھنؤ

اسٹاکسٹ: ابرہیم بک ڈپو، رائے بریلی: 9919331295

راہ عمل

نبیؐ کا اُسوۂ حسنہ ہمیں آواز دیتا ہے!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اگر سورج کی چلچلاتی ہوئی دھوپ انسان کو بے چین کر رہی ہو تو اس وقت کوئی عقل مند آدمی ہیٹر نہیں جلا سکتا، وہ اے سی اور ایئر کولر ہی میں اپنے لیے سکون تلاش کرے گا، اگر کہیں آگ لگ گئی ہو تو اس کو بجھانے کے لیے مزید آگ کے انگارے نہیں پھینکے جاتے، بلکہ آگ پر پانی ڈالا جاتا ہے، اسی طرح اگر ماحول میں ہر طرف نفرت کی آگ سلگادی گئی ہو تو اسے محبت کی شبنم ہی سے بجھانا پڑے گا، اگر نفرت کا جواب نفرت سے دیا جائے تو نفرت ہی بڑھتی جائے گی، موجودہ حالات میں امت کے لیے اس نکتہ کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر برے سلوک کا جواب اچھے سلوک سے دوگے، تو دشمنی گہری دوستی میں تبدیل ہو جائے گی: "اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ" دنیا کے موجودہ ماحول میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن مجید کی اس ہدایت کو پیش نظر رکھیں اور اپنی عملی زندگی کو اس کا نمونہ بنائیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایمان کا رشتہ پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرتا ہے اور اس کو ایک ایسا آفاقی خاندان بنا دیتا ہے، جس کے تحت آنے والے افراد کی حیثیت ایک جسم کے مختلف اعضاء کی ہے، دنیا کے کسی کونے میں ایک مسلمان کسی مصیبت سے دوچار ہو تو ضروری ہے کہ دوسرے انتہاء پر بسنے والا مسلمان بھی اپنے دل میں اس کی ٹیس محسوس کرے، اگر ایک شخص اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اور دوسرے مسلمان کی تکلیف اس کو رنجیدہ نہیں کرتی تو یہ اس کے ایمان میں نقص کی دلیل ہے، لیکن اسلامی اخوت کے ساتھ ساتھ ایک اور رشتہ انسانی اخوت اور بھائی چارہ کا بھی ہے، اس کا دائرہ اور بھی وسیع ہے اور پوری انسانیت کو شامل ہے، کیوں کہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ دنیا میں بسنے والے اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں، اس طرح پوری انسانیت ایک کنبہ ہے، اور ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے، فکر و عقیدہ، رنگ روپ، شکل وصورت اور طاقت و صلاحیت کے ہزار فرق کے باوجود ایک ہی خون ہے، جو ان سب کے باوجود دوڑ رہا ہے، اس رشتہ کو بھی ہمیں ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

شریعت کے بعض احکام ایسے ضرور ہیں، جو مسلمانوں سے متعلق ہیں جیسے کسی مسلمان لڑکے یا لڑکی کا نکاح کسی غیر مسلم سے نہیں ہو سکتا، مشرک کا ذبیحہ مسلمانوں کے حق میں حلال نہیں ہے، اسلامی عبادات مسلمانوں سے متعلق ہیں، نماز روزے مسلمانوں ہی پر فرض ہیں، کوئی غیر مسلم مسلمانوں کا امام نہیں ہو سکتا، زکوٰۃ مسلمانوں سے لی جائے گی اور ان ہی پر خرچ کی جائے گی، حج کی عبادت مسلمانوں پر ہی فرض ہے، لیکن ان کے علاوہ بیشتر مسائل میں مسلم اور غیر مسلم میں فرق نہیں کیا گیا ہے، تعلیم و تعلقات وغیرہ میں مسلمان اور غیر مسلم یکساں ہیں، اسلام نے ایسی بھی کوئی پابندی نہیں رکھی ہے کہ مسجد و مدرسہ میں کوئی غیر مسلم بھائی قدم نہ رکھے، عید و بقرعید کی خوشیوں میں ان کو تحفہ نہ پیش کیا جائے اور افطار و ولیمہ میں ان کو مدعو نہ کیا جائے۔

جو کچھ فرق ہے وہ عبادات اور پرسنل لا میں ہے، اخلاق و معاملات میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہے، سماجی اور معاشی تعلقات کی بنیاد معاملات ہیں اور محبت و الفت کی بنیاد اخلاق، اور ان دونوں میں مسلمان اور غیر مسلم برابر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی دونوں راستوں سے اپنے دشمنوں کے دلوں کو فتح کیا، معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری، پختگی اور وفا شعاری کا حال یہ تھا کہ آپؐ اہل مکہ کے تنگ کرنے یہاں تک کہ جان کے درپے ہو جانے کی وجہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہو رہے ہیں، اس مکان میں آرام فرما ہیں جس کے چاروں طرف بے نیام تلواریں نکلنے والے کا سر قلم کرنے کے لیے تیار ہیں، جذبۂ عداوت سے ہر سینہ معمور ہے، لیکن جاتے جاتے ان ہی خوں آشام دشمنوں کی امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کی جاتی ہیں کہ مکہ کے کفار و مشرکین کو واپس کردیں۔ عین غزوۂ بدر کے موقع سے جب مسلمانون کی تعداد اپنے دشمنوں کے مقابلہ بہت کم ہے، ایک ایک سپاہی کی اہمیت ہے، دشمن کی فوج کی پشت کی طرف سے حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور ایک صحابی آتے ہیں، اہل مکہ نے ان سے وعدہ لے لیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوں

گے، وہ وہاں سے بڑھ کر بارگاہ اقدس میں شرکت کی سعادت حاصل کریں، جبر و دباؤ کی بنیاد پر اہل مکہ سے کیے گئے وعدہ کو نظرانداز کردیں، لیکن ارشاد ہوا کہ تم اپنا وعدہ پورا کرو، ہمارے لیے اللہ کی مدد کافی ہے، کیا معاملات کی صفائی کی ایسی بھی مثال مل سکتی ہے؟

حسن معاملات ہی کا ایک مظہر یہ ہے کہ فاقوں سے دوچار ہیں، پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، دو دو مہینہ اس طرح گزر جاتا ہے، جس وقت وفات ہوئی، اس وقت بھی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن ہے، یہ اس تاجدار نبوت کا حال ہے جس کی سلطنت جزیرۃ العرب کے حدود کو پار کر رہی ہے اور مدینہ میں بڑے صاحب ثروت یہودی اور کتنے ہی دولت مند مسلمان موجود ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اشارہ ہوجاتا تو طوعاً یا کرہاً یہ ساری دولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہوتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی انصاف کا دامن نہیں چھوڑا ، اور اپنے معاملات کو ہر طرح کے جبر و دباؤ اور بے جا تصرف سے دور رکھا، کبھی کسی قرض دار نے مطالبہ کیا اور مطالبہ میں سختی برتی تو اسکو بھی سہا، اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کو اس پر ناگواری ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا اور کہا جو صاحب حق ہیں اس کو مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے: "ان لصاحب الحق مقالاً" صاحب حق کے مطالبہ کا جواب ناراض ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا حق ادا کرنا ہے۔

مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے معاملات میں اس اسوۂ نبویؐ کو پیش نظر رکھیں، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ بجائے اس کے مسلمان کو ایک ایسا شخص سمجھا جائے جس سے معاملہ کرنے میں رغبت ہو اور جس کو لوگ کاروباری شرکت میں ترجیح دیتے ہوں، لوگ مسلمانوں سے معاملہ کرنے میں خوف کھاتے ہیں، مالک مکان ہو تو کسی مسلمان کو کرایہ دار بنانا نہیں چاہتا، ٹیکسی والے غیر مسلم بھائی مسلمان محلوں میں سواری لے جانے سے گھبراتے ہیں، تاجران سے سامان بیچنے میں گھبراتا ہے کہ یہ وقت پر پیسہ ادا نہیں کرتے ، گاہک ہے تو اس کو ان سے مال لینے میں ڈر محسوس ہوتا ہے، پتہ نہیں کس بات میں دھوکہ دیدے؟ بینکوں کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمان محلّہ کو قرض دینے میں احتیاط کرتے ہیں، میری قیام گاہ کے قریب ایک مسلمان تاجر نے ٹاٹا کا شوروم کھولا، ان کا بیان ہے کہ ٹاٹا کے جتنے شوروم ہیں، سب فائدے میں ہیں، اور میں ہوں کہ غیر معمولی نقصان اٹھا رہا ہوں، کیوں کہ یہ مسلم علاقہ ہے، بینک اس میں فائنانس کرنے کو تیار نہیں ہوتا، کیونکہ لوگ پیسہ ادا نہیں کرتے اور پیسہ کے مطالبہ پر سختی برتی جائے تو غنڈہ گردی پر آتے ہیں، اس سے قطع نظر کہ سودی فائنانس پر گاڑی لینا جائز نہیں ہے، یہ پہلو قابل غور ہے کہ برادران وطن میں مسلمانوں سے متعلق عمومی تصور کیا ہے، اس طرح کی رایوں میں یقیناً پروپیگنڈوں کا بھی دخل ہوتا ہے، لیکن اس کے پیچھے ایک حد تک تجربات و واقعات بھی کارفرما ہوتے ہیں، جب تک ہم اپنے عمل کے ذریعہ اس تاثر کو تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہوں، ہم نفرت اور بے اعتمادی کی اس فضا کو ختم نہیں کرسکتے ، اس لیے مسلمان تاجروں، گاہکوں، مکان داروں اور کرایہ داروں، ڈاکٹروں اور انجینئروں نیز معلموں اور طالب علموں، تعلیمی اداروں چلانے والوں، گورنمنٹ ملازمین اور پرائیوٹ اداروں کے خدمت گاروں، سیاسی قائدین اور سماجی کارکنوں کو اپنا اپنا احتساب کرنا چاہیے کہ برادران وطن کے ساتھ ان کے معاملات کیسے ہیں؟ کہیں ان کی بدمعاملگی پوری امت کو رسوا کرنے اور اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ تو نہیں بن رہی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تو پہلے ان پر اپنی زندگی کو پیش فرمایا کہ میں نے تمہارے درمیان بچپن اور جوانی گذاری ہے اور چالیس سال بسر کیے ہیں، تم نے مجھ کو امانت دار پایا یا خیانت کرنے والا؟ اور سچا پایا یا جھوٹ بولنے والا؟ سبھوں کی زبان پر اس وقت ایک ہی جواب تھا کہ آپؐ سچے امانت دار ہیں، آپؐ نے ان کا مزید امتحان لیا اور دریافت فرمایا، اگر میں کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن کی ایک فوج کھڑی ہے، جو تم پر حملہ کرنے والی ہے، تو کیا تم اس کا یقین کروگے؟ لوگوں نے جواب دیا، کیوں نہیں؟ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا، حالاں کہ بظاہر حالات ایسے نہیں ہیں مگر پھر بھی ہم آپؐ کی بات کو سچ ہی سمجھیں گے، آج اسی بات کی ضرورت ہے کہ غیر مسلم محلّہ میں رہنے والے اور غیر مسلم بھائیوں سے کاروبار و تعلق رکھنے والے مسلمان یہ کہنے کے موقف میں ہوں کہ میری زندگی تمہارے درمیان گزری ہے، کیا تم نے مجھے جھوٹ بولتے اور دھوکہ دیتے ہوئے دیکھا ہے؟ اگر ہمارا کردار اس سطح پر آجائے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم نفرت کی ان مصنوعی دیواروں کو ڈھانے میں کامیاب نہ ہوں جو کچھ لوگوں کی طرف سے تعمیر کی گئی ہے اور اسے مسلسل مضبوط اور

اونچا کیا جارہا ہے۔

دوسرا قابل توجہ پہلو اخلاق کا ہے، یعنی سماجی زندگی میں ہمارا رویہ برادران وطن کے ساتھ خلوص ومحبت، ہمدردی وبہی خواہی اور مروت ورواداری کا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کا شاہ کار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا فرمائی گئی، تو آپ گھبرائے ہوئے اپنے دولت کدہ تشریف لائے کہ اتنی بڑی ذمہ داری جو اللہ کی طرف سے آپؐ پر ڈالی گئی ہے، کیوں کر اٹھائی جاسکے گی؟ اس موقع پر آپؐ کے سرد وگرم کی رفیق وفا شعار بیوی ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے عرض کیا: ''خدا کی قسم، اللہ ہرگز آپ کو ضائع نہیں کرے گا، کیوں کہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھالیتے ہیں، آپؐ محتاجوں کو روزگار سے لگاتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اور مصیبت زدہ لوگوں کی مدد فرماتے ہیں''، یہ آپؐ کے اخلاق کی بہترین تصویر ہے، جو خاندان کے ایک ایسے فرد کی زبان سے ہے، جنھوں نے دن کے اجالے میں بھی آپؐ کو دیکھا تھا اور رات کے اندھیرے میں بھی، خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی، دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی، غربت وتنگ دستی میں بھی اور دولت وکشادگی میں بھی، حضرت خدیجہؓ نے یہاں آپؐ کے جس حسن سلوک کا ذکر فرمایا ہے، اس کا تعلق مسلمانوں سے نہیں غیر مسلموں سے ہے، نبوت کے بعد بھی غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ آپ کا یہی حسن سلوک باقی رہا۔

مکہ فتح ہوجاتا ہے، دس ہزار جاں نثار آپؐ کے ساتھ ہیں، اور آپؐ کے ایک اشارہ پر وہ سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہیں، جس کا آپ حکم دیں، وہ سارے لوگ دست بستہ سامنے کھڑے ہیں، جنھوں نے وطن سے نکالا تھا آپؐ کا اور آپؐ کے خاندان کا بائیکاٹ کیا تھا، آپ کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا، قتل کے منصوبے بنائے تھے، آپؐ کے جاں نثاروں کو گرم ریت پر گھسیٹا اور تپتی ہوئی دھوپ میں آگ کے انگاروں پر لٹایا تھا، لیکن آپؐ کی رحمت للعالمینی دیکھئے کہ آپؐ نے ان زخموں کو کرید کر اہل مکہ کو شرمسار بھی نہیں کیا، نہ سب وشتم کے دو چار جملے کہہ کر انھیں غیرت دلائی، یہاں تک کہ نگاہ غضب سے ان کی طرف دیکھا تک نہیں، بس ایک ہی سوال فرمایا کہ تم میرے بارے میں کیا امید رکھتے ہو؟ لوگوں نے بیک زبان عرض کیا: آپؐ ایک شریف بھائی ہیں، اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں: "أنت أخ كريم وابن أخ كريم" یہ ان کی طرف سے آپؐ کی بلند اخلاقی اور رحمت بے پایاں کا اعتراف تھا، آپؐ نے فرمایا کہ آج میں تم سے وہی کہوں گا، جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم سب آزاد ہو، تم پر کوئی پکڑ نہیں: "أنتم الطلقاء لاتثريب عليكم اليوم"

کاش! آج مسلمانوں کا ایسا رویہ ہو کہ وہ جس آبادی یا زندگی کے جس شعبہ میں رہتے ہوں، اگر وہاں اس کے اخلاق کے بارے میں پوچھا جائے تو لوگ اس کے بارے میں کہیں کہ یہ ہم میں کا ایک شریف آدمی ہے اور اس کا رویہ بتاتا ہے کہ یہ مصنوعی طور پر شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے نہیں ہے، بلکہ یہ ایک شریف خاندان اور ایک شریف قوم کا فرد ہے۔

قرآن مجید نے صاف طور پر کہا کہ جو غیر مسلم تم سے برسر جنگ نہیں ہیں اور جنھوں نے تم کو گھر سے بے گھر نہیں کیا ہے تم کو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے اور انصاف برتنا چاہیے، ان کا خون ہمارے ہی خون کی طرح قابل احترام اور ان کا مال بھی ہمارے ہی مال کی طرح قابل تحفظ ہے: "دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا"، آپؐ نے غیر مسلموں کو اپنے یہاں مدعو فرمایا ہے، ان سے آپؐ نے دعوت ولیمہ میں شریک ہونے کی خواہش کی ہے، غیر مسلم بھائیوں کی دعوت قبول کی ہے، ان کو اپنا مہمان بنایا ہے، غیر مسلم حضرات سے تجارتی تعلقات رکھتے ہیں، انھیں اپنے گھر ہی نہیں، مسجد نبویؐ میں بھی ٹھہرایا ہے، غیر مسلم رشتہ داروں کی آخری رسومات میں شرکت اور جلوس جنازہ میں جانے کی اجازت دی ہے، صرف دعاء مغفرت سے منع کیا گیا ہے، فقہاء نے غیر مسلموں کی تعزیت کی اجازت دی ہے اور اس کے لیے دلداری کے مناسب الفاظ لکھے ہیں، آپؐ نے غیر مسلموں کی عیادت فرمائی ہے، مختلف مواقع پر آپؐ نے غیر مسلموں کی مالی مدد فرمائی ہے، جب مکہ میں قحط پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مدینہ میں ریلیف جمع فرمائی اور پانچ سو دینار ان کے لیے بھیجے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی حق میں نہ صرف ہدایت کی دعا فرمائی، بلکہ اہل مکہ سے قحط کی مصیبت دور ہونے کی بھی دعا فرمائی، اگر غیر مسلموں کے کسی گروہ کے ساتھ ظلم وزیادتی ہوئی اور وہ آپؐ سے مدد کے طلب گار ہوئے تو آپؐ نے ان کی مدد سے دریغ نہیں کیا، اگر کسی مسلمان یا غیر مسلم کا مقدمہ آپؐ کے پاس آتا تو آپؐ پورے عدل کے ساتھ فیصلہ فرماتے، چنانچہ بعض مقدمات آپؐ نے مسلمان فریق کے خلاف اور غیر مسلم فریق کے حق میں فیصل فرمائے، قرآن مجید نے غیر مسلم بھائیوں

کے جذبات کو سامنے رکھتے ہوئے اس بات کا حکم دیا ہے کہ ان کے مذہبی مقدسات کی بے حرمتی نہ کی جائے اور ان کی دیویوں دیوتاؤں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔

قرآن وحدیث میں جتنے احکام ہیں، جیسے غریبوں کی مدد، بڑوں کا احترام، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، عورتوں کی عزت وناموس کا احترام، اور جو استہزاء وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں، اسلام کے اس آفاقی اور بنیادی تصور کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: ”الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله“. (خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے)۔

ملک کے اور دنیا کے موجودہ حالات میں یہ بات ضروری ہے کہ مسلمان برادران وطن کے سامنے اپنی اخلاقی برتری ثابت کریں اور دلوں کو فتح کرنے کی کوشش کریں، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زور زمین کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ دلوں اور دماغوں کو فتح کیا، ہمارے لیے بھی مشکلات سے نکلنے کا یہی راستہ ہے، اگر ہم برادران وطن کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرلیں اور اپنے اخلاقی رویہ کو اسوہ نبویؐ کے سانچے میں ڈھال لیں تو نا امیدی ونامرادی کی اس رات کی صبح ضرور ہوگی ؎

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

☆☆☆☆☆

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے

عبدالغفار عزیز

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی خادم کو یا خاتون کو نہیں مارا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جہاد کے سوا کبھی کسی کو نہیں مارا، اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنا پڑا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں سے آسان تر کو پسند نہ کیا ہو، الا یہ کہ اس میں اللہ کی ناراضی کا کوئی پہلو ہو، اگر کسی کام میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام سے سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا، ہاں، اگر اللہ کی حدیں پامال ہو رہی ہوتیں، تو پھر آپؐ اللہ کی خاطر انتقام لیتے۔[مسند احمد، ابن ماجہ، حدیث ۱۹۸۴]

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی اس حدیث میں رحمۃ اللعالمین کی تین اہم صفات وعادات ہر امتی کو دعوت فکر دے رہی ہیں، پہلی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی، میدان جہاد کے سوا کبھی کسی کو نہ مارا، ہتھیار تو دور کی بات ہے کہ اس سے کسی کی طرف مزاحاً اشارہ کرنا بھی جہنم میں جگہ بنانا ہے، ہاتھ سے بھی کسی کو نہ مارا، کسی کمزور سے کمزور کو بھی نہیں، انسانی خون کی ہولی کھیلنے والے اگر مسلمان ہیں تو کس منہ سے عشق ومحبت کا دعویٰ کرسکیں گے۔ دوسری یہ کہ اگر گناہ کے زمرے میں نہ آتی ہو تو ہمیشہ آسانی کو پسند کیا، دوسروں کو بھی یہی تعلیم دی کہ آسانیاں پیدا کرو، اس سنہری اور جامع اصول کا اطلاق بھی زندگی کے ہر گوشے پر ہوتا ہے، دین ومذہب سے لے کر حکومت واقتدار تک، تحریک وجماعت سے لے کر ملازمت و بیوپار تک، خود وہ بوجھ مت ڈالو جو خالق نے نہیں ڈالا، اور اگر کسی معاملے میں دو راستے میسر ہیں اور کسی میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں، تو آسان کو مشکل پر ترجیح دو، تیسری یہ کہ اپنی ذات کے لیے انتقام نبی کا شیوہ نہیں، ہاں اگر کوئی خالق ہی کو ناراض کرنے پر تل جائے تو آئندہ اسے اور دوسروں کو اس کا بدلہ سے باز رکھنے کے لیے سزا بھی ناگریز ہو جاتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوطلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو ایسے وقت میں تنہا چھوڑ دیتا ہے کہ جب اس کے جان ومال اور اس کی عزت پر حملہ ہو رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ بھی اس شخص کو ایسے وقت میں تنہا چھوڑ دیتا ہے، جب وہ خود اللہ کی نصرت کا محتاج ہوتا ہے، اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ جو ایسے وقت میں اپنے بھائی کی نصرت کرے کہ جب اس کے جان ومال اور اس کی عزت پر حملہ ہو رہا ہو، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی نصرت ایسے وقت میں نہ کرے کہ جب وہ اللہ کی نصرت کا محتاج وطالب ہوتا ہے۔[ابوداؤد، حدیث ۴۸۸۴]

بندہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہا ہے حالانکہ درحقیقت وہ اپنی ہی مدد کر رہا ہوتا ہے، بندہ اپنے بھائی کے کام آتا ہے تو رب کائنات خود اس بندے کا نگہبان بن جاتا ہے، مسلم کی طویل حدیث کے مطابق، اللہ تب تک خود بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ بندے اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے، رب کا انصاف ہر شے سے بالاتر ہے، جس نوع کی نیکی، اسی طرح کا اس کا اجر اور جس طرح کا جرم، اسی نوع کی سزا و عذاب، افراد ہی نہیں اقوام ممالک بھی اس حدیث کی روشنی میں اپنے حال ومستقبل کا فیصلہ خود کرسکتے ہیں، روزمرہ کے معمولات سے لے کر بین الاقوامی مسائل تک، اللہ نے یہ فیصلہ بندے پر چھوڑ دیا کہ وہ رب کی نصرت چاہتا ہے یا اس کی سزا وعذاب۔

☆☆☆

نسخۂ شفا

نسبت قرآنی

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

یہ اہل ایمان کے لیے نہایت شرف کی بات ہے کہ اللہ نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اس کا کلام اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اپنی زبان سے پڑھیں، وہ ہمارے سینوں کے اندر محفوظ ہوتا ہے، ہم اس کو یاد کرتے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ یہ اتنی اونچی اور بلند چیز ہے کہ وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی ممکن نہیں، لیکن یہ اللہ کا محض کرم اور اس کا اپنے بندوں پر فضل ہے کہ اس نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو ایسا بنایا کہ اپنا کلام اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا، اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلمکو برداشت کی وہ طاقت عطا فرمائی کہ کلام الٰہی آپ پر نازل ہوا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلمنے اس کلام کو حضرات صحابہ کے سامنے پیش کیا، اور وہ امت کے سامنے پڑھا گیا، سنایا گیا، وہ سلسلہ جو اس وقت شروع ہوا، الحمد للہ آج بھی جاری ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا، اللہ کا وعدہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" [الحجر:۹] (ہم نے یہ (کتاب) نصیحت اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

حفاظت قرآن کا وعدہ

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، چاہے ساری دنیا قرآن مجید کو مٹانے اس کے اندر تبدیلی پیدا کرنے، اس کو کم یا زیادہ بتانے کے لیے ایک ہوجائے، شیعوں کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کے چالیس پارے ہیں، دس پارے امام غائب کے ساتھ غائب ہوگئے، اور تیس پارے باقی رہ گئے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کی روشنی میں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شیعوں کا ایمان ہی باقی نہیں رہا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے، جب کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ حفاظت نہیں ہوئی، اور دس پارے امام غائب لے گئے، حفاظت قرآن کا اللہ کا وعدہ ہے، چند روز قبل اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ شام میں بشار الاسد نے ایک نیا قرآن تیار کرایا جس میں "سورة البشار والأسد" ہے، دنیا میں اسی طرح سب کوشش کرتے ہیں، لیکن ان ساری کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے۔

فہم قرآن کے وسائل

قرآن مجید کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ اللہ نے قرآن مجید کو قیامت تک کے لیے رکھا ہے، وہ محفوظ ہے محفوظ رہے گا، اس کے واسطہ سے اللہ نے ہمیں بھی ایک عزت عطا فرمائی، ہم اس کو مدارس میں پڑھتے ہیں، اللہ نے ہمیں اس کا ذریعہ بنایا کہ ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں، چھوٹے بچے ابتداء میں ا.ب.ت.ث پڑھتے ہیں، تاکہ قرآن مجید سیکھ سکیں، یہ ا.ب.ت.ث پڑھنا بھی حقیقت میں قرآن کا پڑھنا ہے، اس کے بعد وہ آگے بڑھتے ہیں اور قرآن مجید کو سنت کے مطابق پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں جس کو تجوید کہا جاتا ہے، تجوید کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو سنت کے مطابق پڑھا جائے، یعنی جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلمنے پڑھا ویسے ہی قرآن پڑھا جائے۔

اس مرحلہ کے بعد عربی زبان کو پڑھا جاتا ہے، تاکہ قرآن مجید کا فہم پیدا ہو، اس کے لیے صرف و نحو، بلاغت کی کتابوں کا پڑھنا ضروری ہے، یہ سب حقیقت میں قرآن مجید ہی کا پڑھنا ہے، اس لیے کہ یہ سب کتابیں اسی لیے پڑھی جاتی ہیں تاکہ قرآن مجید کا فہم پیدا ہوسکے، اس کی تفسیر تک اپنے کو پہنچانے اور اپنے کو اس قابل بنانے کے لیے پڑھتے ہیں کہ کسی درجہ میں قرآن مجید کی سمجھ پیدا ہو، گویا یہ سب فہم قرآن کے وسائل ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ جو جس چیز کا ذریعہ یا وسیلہ ہو، اس میں بھی اللہ نے وہی اجر رکھا ہے جو اجر اس بنیادی کام کا ہے، جو کام آپ کے پیش نظر ہے، یہ اللہ کا ہم پر بڑا کرم اور انعام ہے، ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم اپنی گندی زبان سے قرآن مجید پڑھیں، اللہ کا وہ کلام پڑھیں جس کے اندر اللہ نے غیر معمولی کرنٹ رکھا ہے، اگر ہم میں سے کسی کا بجلی کے تار پر ہاتھ لگ جائے تو ہاتھ جل جائیں گے، کان پھٹ جائیں گے، جان چلی جائے گی، اسی طرح قرآن مجید کے اندر اللہ نے ایسا کرنٹ اور ایسی طاقت رکھی ہے کہ اس طاقت کا کوئی تحمل کر ہی نہیں سکتا، خود اللہ فرماتا ہے: "لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُتَصَدِّعاً مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ" [الحشر:۲۱] (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے دبا جارہا ہے، پھٹا پڑتا ہے)۔

معلوم ہوا اگر اس قرآن مجید کو پہاڑ پر اتار دیا جاتا تو قرآن مجید کے اندر جو جلال وتجلیات ہیں ان کی وجہ سے وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے، اور ایسا ہوا بھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یا اللہ! مجھے اپنی

ایک جھلک دکھادے، اللہ تعالیٰ نے کہا کہ برداشت نہیں کر پاؤ گے، کہنے لگے اللہ پھر بھی دکھا ہی دے، اللہ نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ پہاڑ پر ایک ہلکی تجلی کا اثر پڑا، جہاں ان کے ساتھی بھی تھے تو وہ پہاڑ بالکل جل گیا اور سب بے ہوش ہوگئے، ایسا لگا کہ سب مرجائیں گے، اس کے بعد حضرت موسیٰ نے دعا کی تو اللہ کا کرم ہوا اور گویا دوبارہ ان کو ایک نئی زندگی ملی۔

کلام الٰہی کا کرنٹ

اس واقعہ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کے کلام کے اندر بھی اللہ کی تجلی کا کرنٹ ہے، جس کو کوئی برداشت نہیں کرسکتا تھا، پہاڑوں پر اترتا تو وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے، لیکن قربان جایئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے، اللہ نے آپ ﷺ کا قلب اطہر ایسا زبردست بنایا، اس کے اندر ایسا تحمل رکھا کہ اس پر اپنا کلام اتارا اور اس پر جب کلام اترا، تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے امت تک پہنچا، اس کو بھی ایک بہت ہلکی اور معمولی مثال سے سمجھنا آسان ہوگا، جس طرح ٹرانس فارمر پر کرنٹ آتا ہے اور اس کے بعد وہ سب جگہ تقسیم ہوتا ہے، اگر براہ راست کرنٹ آجائے تو پنکھے جل جائیں گے، لائٹیں جل جائیں گی، اور کبھی کوئی ڈائریکٹ تار، پچ Touch ہوجاتا ہے تو مصیبت آجاتی ہے، لیکن ٹرانس فارمر سے آنے کے بعد جو کرنٹ آتا ہے، اس کے واسطہ سے آپ بلب لگاتے ہیں، مشینیں لگاتے ہیں، ان چیزوں کے اندر جو طاقت ہے اس طاقت کو دیکھ کر ٹرانس فارمر سے وہ کرنٹ تقسیم ہوتا ہے، اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام اترا، اور آپ ﷺ کے ذریعہ سے وہ امت میں تقسیم ہوا، اللہ تعالیٰ نے جو تجلی کا کرنٹ تھا وہ ایسا بنادیا کہ اب ہر شخص وہ اپنی زبان سے پڑھتا ہے، ہر شخص اس کی تلاوت کرتا ہے، ہر شخص اس کو دیکھ سکتا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری آنکھیں اس قابل نہ تھیں کہ ہم اس کو دیکھتے، جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ بجلی کے تار پر پلاسٹک کا خول چڑھا ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان کو کرنٹ نہیں لگتا، لیکن اگر کہیں وہ نہیں ہوتا تو کرنٹ لگ جاتا ہے، جس سے بسا اوقات انسان جل جاتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اللہ نے اس پر ایسا خول چڑھادیا کہ آج ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن اس سلسلہ میں ایک چیز کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے کہ فائدہ تب ہوگا جب کنکشن جڑا ہو، اگر کنکشن ہی جڑا نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، آپ کے پاس ہیٹر تک کنکشن آجائے یا آپ نے ساری فٹنگ کرلی ہو، پنکھے لگالئے ہوں، مشینیں لگالی ہوں، جو کچھ کرنا ہو وہ سب کرلیا ہو، لیکن ابھی کنکشن نہیں جڑا تو سب بیکار ہے، جب کنکشن نہیں جڑے گا تو تار آپ کے گھر تک آچکا ہوگا اور کرنٹ بھی وہاں تک آرہا ہوگا، لیکن آپ نے اپنا جو سارا نظام قائم کیا ہے، اس سے اس کا ابھی کنکشن نہیں ہوا تو سارا سسٹم فیل رہے گا، نہ پنکھے چلیں گے، نہ لائٹ، نہ اے سی۔

کنکشن کے شرائط

اگر ہمیں قرآن مجید سے نسبت حاصل ہوجائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو، تو ہمارا کنکشن جڑ گیا اور جب کنکشن جڑ جائے گا تو اللہ نے جو قرآن مجید کے اندر ایک طاقت رکھی ہے، اس کو اپنی تجلیات کا مظہر بنایا ہے وہ ہمارے دل کے اندر آجائیں گی، اور اس سے ہمیں فائدہ ہوگا، اس وقت یہ حال ہے کہ گویا ہمارے دل کے اندر ایک کلی ہے جو کھل نہیں رہی ہے، اگر ہم کو وہ نسبت حاصل ہوجائے تو وہ کھل جائے گی، اور ہمارے اندر ایک طاقت پیدا ہوجائے گی۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی جگہ اس طاقت کے پیدا کرنے کے راز کو واضح کیا ہے، سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات میں فرمایا گیا:

”الم ☆ ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ☆ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ“ [البقرة:۱-۳] (الٓمّ ☆ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کا کوئی گذر نہیں، راہ بتاتی ہے لحاظ رکھنے والوں کو ☆ جو غیب کو مانتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)

سورہ کا آغاز ”الم“ سے ہوتا ہے، اس کو اور ان جیسے حروف کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے، عربوں میں اس کا دستور تھا، یہ بڑے ادب اور بلاغت کی بات ہے، عرب مخاطب کو متوجہ کرنے کے لیے کبھی کبھی ایسا کرتے تھے کہ بعض حروف اپنی زبان سے ادا کرتے تھے تاکہ سننے والا متوجہ ہوجائے، جب متوجہ ہوجائے گا اس کے بعد جو بات سنے گا اس بات کا اس کے اوپر اثر پڑے گا، دل کو کھول لے گا، دماغ کی کھڑکیوں کو کھول لے گا، بات کو توجہ سے سنے گا، اسی طرح قرآن مجید کے ان حروف میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے، اور دوسری طرف یہ بھی ہے کہ یہ اللہ کے دیئے حروف ہیں، یا اللہ کے رسول کا معجزہ ہیں، اس کی حقیقت اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں سمجھ سکتا، تو گویا پہلے ان تین حروف کی ادائیگی سے متوجہ کردیا گیا کہ بات غور و توجہ سے سنو، یہ اللہ کا کلام ہے، جو سنایا جارہا ہے، اپنے ذہن و دماغ کی کھڑکیاں کھول لو، ایسا نہ ہو کہ ایسی قیمتی چیز تمہیں دی جارہی ہو اور تمہیں توجہ بھی نہ ہو، تم ادھر ادھر کی باتوں میں لگ گئے ہو، اور ایک قیمتی چیز تم گنوا دو، اس لیے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو

پوری طرح متوجہ کرو، اور غور کرو اور دیکھو کہ کیسی قیمتی چیز اور کتنی بڑی دولت ملنے والی ہے۔

قرآن مجید کا تعارف

اس کے بعد فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کا کوئی گذر نہیں، اس میں شک کا کوئی آدمی تصور نہیں کرسکتا، یہ کتاب ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور کیوں نہ ہو؟ یہ اس ذات کا کلام ہے جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے، ازل سے ابد تک جو کچھ ہونا ہے اور جو کچھ ہوگا سب اللہ کے سامنے ہے، اور یہ کتاب بھی اسی اللہ کا کلام ہے، تو اس میں شک وشبہ کی کون سی گنجائش ہوسکتی ہے؟ اس کے بعد یہ فرمایا گیا: یہ کتاب ہدایت ہے، یعنی اس سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ ایسی چیز ہے جو نہایت مفید ہے، جو راستہ بتاتی ہے، جو انسان کو انسان بناتی ہے، جو انسان کے اندر رحمت پیدا کرتی ہے، جو انسان کے اندر انسانیت پیدا کرتی ہے، جو انسان کو اپنے مالک سے جوڑتی ہے، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب ہے، اس کتاب کے اندر اللہ نے وہ طاقت رکھی ہے، وہ کرنٹ رکھا ہے جو کرنٹ انسان کے اندر ایک ایسا جوہر پیدا کردیتا ہے، جو اس کی ہر صلاحیت کو نکھار دیتا ہے، گویا انسان کی صلاحیتوں کو نکھارنے والی چیز قرآن مجید ہے، جس طرح پنکھے اور بلب لگے ہوتے ہیں، اور وہ کام کے تب ہوتے ہیں جب ان میں کرنٹ آجائے، اسی طرح اللہ نے آپ کو وہ کرنٹ یعنی وہ قرآن مجید دیا ہے، جس سے آپ ترقی کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ صاف کہتا ہے: "ھدی للمتقین" یہ ہدایت ہے، فائدہ ہے، لیکن کس کو فائدہ پہنچے گا؟ اللہ نے صاف کہہ دیا کہ فائدہ اس کو پہنچے گا جو اس سے اپنی نسبت کو جوڑے گا، جو اپنی نسبت کو قائم کرے گا، جو اپنے دل کے تار کو اس سے جوڑے گا، اس کے لیے اس میں فائدہ ہے، اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں آتا ہے: "ھدی للناس" یعنی یہ اللہ کی کتاب ہے جو تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے، دراصل اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک حقیقت کو واضح کیا ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرمانا چاہتا ہے کہ یہ کتاب ایک ایسا کرنٹ ہے، اس کے اندر ایک ایسی طاقت ہے جس طاقت سے ہر فرد فائدہ اٹھا سکتا ہے، گویا کہ نظریاتی طور پر ایک بات بتائی جارہی ہے، جیسا کہ ایک چیز بالقوۃ ہوتی ہے اور ایک بالفعل یعنی ایک چیز وہ ہے جو نظریئے میں ہے، فکر میں ہے، اور ایک چیز وہ ہے جو عمل میں ہے، تو قرآن مجید میں جس جگہ "ھدی للناس" کہا گیا، وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ بتانا چاہتا ہے کہ یقیناً یہ ایسی کتاب ہے، جس کے اندر ہر شخص کے لیے طاقت ہے، ہر شخص کے لیے رہنمائی کا سامان ہے، ہر شخص کے لیے ہدایت ہے، لیکن اس سے ہدایت کا فائدہ کون حاصل کرتا ہے؟ اس کو پہلی آیت میں فرمایا کہ "ھدی للمتقین" (راہ بتاتی ہے لحاظ رکھنے والوں کو)

فائدہ تو سب کے لیے ہے، لیکن فائدہ اٹھاتا کون ہے؟ فائدہ اٹھاتا وہ ہے جو اپنے آپ کو اس سے وابستہ کرلیتا ہے، اپنے آپ کو اس سے جوڑ لیتا ہے، جیسے سطور بالا میں مثال عرض کی گئی کہ تار میں کرنٹ آگیا لیکن ابھی اپنے تار کو اس سے جوڑا نہیں گیا تو کہا یہ جائے گا کہ کرنٹ تو ہے لیکن حقیقت میں اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جارہا ہے، موجود ہونا اور بات ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا اور بات ہے، مثلاً: کھانا لگادیا جائے، بڑا شاندار دسترخوان ہے، بڑے عمدہ عمدہ کھانے ہیں، اس میں بڑے اعلیٰ قسم کے ایسے کھانے ہیں جن کا نام بھی شاید آپ نے نہ سنا ہو، وہ سب آپ کے سامنے موجود ہیں، لیکن آپ اپنا ہاتھ نہ بڑھائیں، دسترخوان پر نہ بیٹھیں، جب کہ کھانا آپ ہی کے لیے ہے، لیکن آپ نہیں بڑھتے، حالانکہ آپ کھانے سے فائدہ کب اٹھائیں گے؟ جب ہاتھ بڑھائیں گے، جب کھانے کو لیں گے، اپنے منھ تک لے جائیں گے، نوالہ بنائیں گے منھ میں ڈالیں گے، تب آپ کو کھانے کا فائدہ ہوگا، آپ اس میں مزا بھی لیں گے، آپ کے جسم کو توانائی بھی حاصل ہوگی، اسی طرح قرآن مجید ایک کرنٹ ہے، آپ جب تار جوڑیں گے تو یہ سارے پنکھے اور سارے راڈ جل جائیں گے، کام میں آئیں گے، اور آپ کے لیے مفید ثابت ہوں گے، لیکن اگر نہیں جوڑیں گے تو کوئی فائدہ نہیں، اسی طرح ایک طرف تو "ھدی للناس" کہا کہ یہ کتاب الٰہی تمام انسانیت کے لیے ہدایت ہے، جو چاہے آجائے اور آکر اپنے تار کو اس تار سے جوڑ لے اور کرنٹ حاصل کرے، اسی لیے دوسری جگہ یہ فرمایا: "ھدی للمتقین" یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو تقوی کی زندگی گزارتے ہیں، گویا فرمایا کہ کرنٹ سے فائدہ وہ اٹھاتا ہے جو اس سے نسبت حاصل کرتا ہے، جو اس سے تعلق استوار کرتا ہے، اپنے راستہ کو مضبوط کرتا ہے، اس کی روشنی میں زندگی گزارنا چاہتا ہے، اور اس کی روشنی کو حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ طالب بن کر آتا ہے اور سچی طلب لے کر آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس نعمت کو ایسا بھر بھر کردیتے ہیں کہ اگر وہ لینا چاہے تو اللہ کے یہاں کوئی خزانہ میں کمی نہیں، جتنا وہ لینا چاہے لے، فرمایا کہ یہ ہدایت ہے لیکن ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جن کے اندر تقوی ہے، اللہ کا ڈر ہے، اللہ کا خوف ہے، اللہ کی خشیت ہے، اللہ کا لحاظ ہے، کام کرنے سے پہلے ان کے دماغ میں یہ بات آتی ہے، کہ اب ہم کام کرنے جارہے ہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی غلط کام، کوئی

گناہ کا کام کرنے جارہے ہیں، ہم اللہ کو ناراض کرنے والا کوئی کام تو نہیں کرنے جارہے ہیں، اہل ایمان اور تقوی والوں کی شناخت بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی وضاحت ایک دوسری جگہ فرمائی: "إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ" [الأعراف:۲۰۱] (یقیناً پرہیز گاروں کا حال یہ ہے کہ جب بھی ان پر شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھو کر بھی گزرتا ہے تو وہ چونک جاتے ہیں بس ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں)۔

اس آیت میں تقوی کی وضاحت کردی گئی، اللہ فرماتا ہے: یقیناً جو متقی لوگ ہیں، اللہ کا ڈر رکھنے والے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ جب کبھی شیطان کے ٹولہ کا ان پر گزر ہوتا ہے، شیطان ان کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے، آمادہ کرنا چاہتا ہے تو جب مزاج کے اندر تقوی ہوتا ہے، اچانک وہ چونک جاتے ہیں، "تذکروا" کا مطلب ہی یہ ہے کہ چونک جاتے ہیں، "اوہو! یہ ہوا کیا ہے"، "یہ کون آیا"، "یہ دل میں کیسا خیال گذرا"، "ارے ہم کدھر جارہے ہیں"، ایک تذکّر پیدا ہوتا ہے، چونک جاتے ہیں، بس حقیقت کھل جاتی ہے، اور ان کی نگاہوں کے سامنے وہ حقیقت آجاتی ہے، اور جب وہ حقیقت آجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو گناہ سے بچالیتا ہے، وہ گناہ جس کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے جب مزاج کے اندر تقوی ہے، گناہ جب سامنے آیا ایک تذکر پیدا ہوا، ایک دھیان پیدا ہوا، تو اس کے نتیجہ میں آدمی چونک گیا کہ کیا ہورہا ہے، میں کدھر جارہا ہوں، جب اس نے دیکھا اور توجہ کی تو اس کے سامنے حقیقت کھل گئی کہ ہم جس کو اچھا سمجھ رہے تھے کہ فلاں جگہ جائیں گے بڑا مزا آئے گا، بڑا میلہ ہے، لطف کی باتیں ہیں، دیکھیں گے اب کیا کیا ہوگا؟ اچانک جب یہ بات ذہن میں آئی تو ایک تذکر پیدا ہوا اور گناہ سے بچ گئے۔

متقین کی علامت

گناہوں کی حالت بھی یہی ہے، یہ گندے گناہ سڑے نالے اور غلاظتوں کی طرح ہیں، بعض روایات میں اس کا ذکر بھی آتا ہے، لیکن پہلے مرحلہ میں ہوتا یہ ہے کہ جیسے شرابی شراب کے نشہ میں بدمست ہوتا ہے، بعض مرتبہ انسان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہشات میں بدمست ہوجاتا ہے، اور جب خواہشات میں بدمست ہوتا ہے تو بھول جاتا ہے کہ ہم کدھر جارہے ہیں، لیکن جب مزاج کے اندر تقویٰ ہوتا ہے تو اچانک اس کو خیال آتا ہے، جیسے اس کا نشہ الگ ہوجائے وہ چونک کر اٹھ جائے کہ میں کدھر پڑا ہوا ہوں، اسی طرح جب مزاج میں تقویٰ ہوتا ہے تو اچانک ایک ہوش آجاتا ہے، اس کے اندر ایک روشنی کوندجاتی ہے، جیسے بجلی چمکتی ہے، اسی طرح ایک بجلی سی چمکتی ہے اور وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہم کدھر جارہے ہیں، آج جو ہمیں بڑی لذت والی چیزیں نظر آرہی ہیں، بڑی عزت کی چیزیں نظر آرہی ہیں لیکن اس کی حقیقت کیا ہے؟؟ کل مرنے کے بعد جب وہ چیز ہمارے سامنے آئے گی، اس وقت اگر ہماری آنکھیں کھلیں تو اس وقت کا خبردار ہونا ہمارے لیے مفید نہیں، بلکہ مفید یہ ہے کہ ابھی ہماری آنکھیں کھل جائیں، اس وقت کا آنکھیں کھلنا تقوی کی نشانی ہے، تقوی والوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پاس سے جب شیطان کے کسی گروہ کا گزر ہوتا ہے تو ان کے اندر ایک تذبذب پیدا ہوتا ہے، دھیان پیدا ہوتا ہے، وہ چونک جاتے ہیں کہ یہ کیا ہوا، یہی تقوی کی شان ہے، اور یہی کرنٹ کا حاصل کرنا ہے، کنکشن کا جڑ جانا ہے، اور راستہ کا مضبوط ہوجانا ہے، اپنے تعلق کا استوار کرلینا ہے۔

"ھدی للمتقین" یہ عملی طور پر ہدایت ہے، یعنی عملی طور پر اس سے آدمی فائدہ اٹھاسکتا ہے، اس کی روشنی میں زندگی گزارسکتا ہے، خود فائدہ اٹھاسکتا ہے، امت کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، لیکن کون؟ "للمتقین" یہ تقویٰ والوں کے لیے ہے، اور پھر تقویٰ والے کون لوگ ہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہیں پر بعض صفات بیان فرمائی ہیں:

"الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" [البقرۃ:۳] (جو غیب کو مانتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔

اللہ فرماتا ہے یہ تقوی والے وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، غیب پر ایمان رکھنا یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بارے میں جو کچھ بھی بتایا، اللہ کی صفات کے بارے میں، جنت ودوزخ کے بارے میں، آخرت کے بارے میں، وہاں کی اچھائیوں اور برائیوں کے بارے میں، جنت کی نعمتوں کے بارے میں، اور جہنم کی انتہائی درجہ کی سختیوں کے بارے میں، وہ ساری باتیں غیب ہیں، غیب کی تعریف یہ ہے کہ جو ہمارے پیچھے ہو، جو ڈھکا ہوا، چھپا ہوا، اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا وہ غیب ہے، وہ باتیں غیب کی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتائی ہیں ان باتوں پر سچا یقین اور دل سے ان کو ماننا اسی کو ایمان بالغیب کہتے ہیں، آدمی کو جتنا زیادہ یقین پیدا ہوجائے گا اتنا ہی کامل درجہ کا وہ ایمان والا ہوجائے گا۔

ہمارے لیے جو بات سب سے بڑھ کر معتبر ہے، وہ ماننا ہے، آدمی اگر بات مانتا ہے تو ایمان والا ہے، اور اگر بات نہیں مانتا بلکہ انکار کرتا ہے، تو ایمان والا نہیں ہے، اس فرق کو سمجھنے کی ضرورت

ہے، اور ماننے کے ساتھ اگر یقین پیدا ہوجائے، مشاہدہ کے درجہ کا یقین پیدا ہوجائے تو یقیناً یہ اعلی درجہ کی چیز ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی: "وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَلَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي" [البقرۃ:۲۶۰] (اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب مجھ کو دکھادے تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے، اس نے فرمایا کیا تمہیں یقین نہیں وہ بولے کیوں نہیں لیکن یہ اس لیے ہے تاکہ میرا دل سکون پاجائے)۔

حضرت ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! تو مجھے یہ دکھادے کہ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ نے کہا: کیا اس پر ایمان چنانچہ اللہ نے کہا: ٹھیک ہے، ایک پرندہ ذبح کرو، اس کے چار حصہ کرو، اور پہاڑوں، مختلف جگہوں پر جاکر رکھ آؤ، پھر دیکھو کہ کس طرح وہ اپنی اپنی جگہوں سے اڑتے ہیں، اور ایک ہوتے ہیں، اور پرندہ کی شکل میں آکر تمہارے پاس بیٹھ جاتے ہیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، اور اللہ نے انہیں دکھایا، اللہ کیسے زندہ کرتا ہے۔

ماننا یا یقین

ماننے کے بعد یقین کا پیدا ہونا، مشاہدہ سے یقین کا آجانا یہ قوت ایمانی کی بات ہے، لیکن اصل ماننا ہے، یقین نہیں ہے، البتہ ماننے کے بعد درجہ یقین کا ہوتا ہے، آدمی کو یقین ہے لیکن پھر بھی نہیں ماننا، ممکن ہے، آپ کہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، لیکن اس کی مثال موجود ہے کہ یقین ہوتا ہے، پھر بھی نہیں ماننا، قرآن مجید میں اللہ نے یہودیوں کی مثال دی ہے، ان کے بارے میں اللہ نے کہا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بچوں کو، ان کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ نبی ہیں، جس طرح اپنے بیٹوں کو وہ پہچانتے ہیں، ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلمکو پہچانتے ہیں، لیکن اس کے بعد حالت یہ تھی کہ ماننے کو تیار نہیں۔

ایک واقعہ ہے کہ چند یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے اس کو تسلیم کیا کہ آپ یقیناً نبی ہیں، آپ نے کہا: تم مانتے ہو، تمہیں اس بات کا یقین ہے تو اقرار کیوں نہیں کرتے، مانتے کیوں نہیں؟ کہنے لگے کہ مانیں گے نہیں، نبی کو ہماری نسل میں آنا چاہیے، یہ بنو اسماعیل میں نبی کہاں سے آگیا، اسی لیے اللہ نے قرآن میں کہا: کیا یہ نبوت کے ٹھیکیدار ہیں؟ کیا یہ نبوت تقسیم کرتے ہیں؟ نبوت تو ہمارے ہاتھ میں ہم جس کو دیں، انہوں نے اس کی ٹھیکیداری کہاں سے اپنے ذمہ کرلی ہے کہ انہیں کی نسل سے نبی آئے گا، کسی دوسری نسل سے نہیں آئے گا۔

معلوم ہوا اصل چیز ماننا ہے، اسی لیے فرمایا گیا: "الذين يؤمنون بالغيب" (جو غیب کو مانتے ہیں) کیوں مانتے ہیں؟ اس لیے مانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات ماننے والی ہے، آپ جو بھی فرمائیں گے ہمیں اس پر یقین کرنا ہے، ہمیں اس کو ماننا ہے، اور پھر آگے مؤمنین کی مزید ایک صفت بیان فرمائی کہ وہ نمازوں کو قائم کرتے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ "الذين يصلون" بلکہ فرمایا: "الذين يقيمون الصلاة" (جو نمازوں کو قائم کرتے ہیں) قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آداب کے ساتھ، اس کے جو مستحبات ہیں، اس کی جو سنتیں ہیں، اس کے اندر جو کیفیات ہیں ان تمام تفصیلات کے ساتھ جو لوگ نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں وہ قرآن سے اپنے رشتہ کو مضبوط کرتے ہیں، اور آگے فرمایا کہ وہ زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں، یعنی جو ایمانی صفات ہیں، ان صفات کو جو لوگ اختیار کرتے ہیں وہ گویا کہ قرآن مجید سے اپنے تعلق کو مضبوط کرتے ہیں۔

قرآن مجید کا ایمان سے بہت گہرا تعلق ہے، قرآن مجید تنہا عربی زبان کی ایک کتاب نہیں ہے کہ عربی آگئی اور اس کے بعد آپ نے قرآن سمجھ لیا، اور قرآن کی روشنی سے آپ کو روشنی مل گئی، قرآن مجید سے آپ نے فائدہ اٹھالیا، ایسا نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو جو مستشرقین اور عرب ملک کے رہنے والے عیسائی، یہودی ہیں، یہ عربی زبان کے بڑے ماہر ہیں، لیکن قرآن مجید کو پڑھتے ہیں، اور قرآن مجید سے ایک حبہ کا فائدہ ان کو نہیں ہوتا، ان کے لیے ہدایت نہیں، ان کے لیے روشنی نہیں، ان کو گویا کہ وہ کرنٹ حاصل نہیں ہورہا ہے جو کرنٹ قرآن مجید سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ انہوں نے قرآن مجید سے اپنے کرنٹ کو نہیں جوڑا، یعنی قرآن مجید سے تعلق نہیں قائم کیا، قرآن مجید سے تعلق جوڑنے کی قرآن مجید میں جو شکل بیان کی گئی ہے، اس کو سطور بالا میں قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا کہ "هدى للمتقين" یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے اندر تقوی کا مزاج رکھتے ہیں، اللہ کا ڈر رکھتے ہیں، یقیناً قرآن مجید ان کے لیے مفید بنتا ہے، دینی علوم سے اشتغال رکھنے والے قرآن مجید پڑھتے ہیں، قرآن مجید کا فہم پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حدیثیں پڑھتے ہیں، ان کو خاص طور پر یہ بات ذہن نشیں کرنا چاہیے کہ جب تک ان کی زندگی ایمانی زندگی، تقوی والی زندگی، احتیاط کی زندگی نہیں ہوگی، وہ قرآن مجید کے حامل نہیں بن سکتے ہیں، نہ ہی اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں، جب تک تار تار سے نہیں جڑے گا، اس وقت تک قرآن مجید جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہدایت کا سامان رکھا ہے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا اور وہ ہدایت کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

☆☆☆☆☆

مرد مومن

علم وعمل، زہد واستغناء اور اصلاح ودعوت کا حسین پیکر

مولانا عبدالباری ندوی بھٹکلی جوارِ رحمت میں

ندوہ میں تعزیتی جلسہ، مولانا مرحوم کی خوبیوں کا اعتراف اور اظہارِ تعزیت

جاوید اختر ندوی

۲۵؍فروری ۲۰۱۶ء کا شمارہ پریس جانے کو تیار تھا کہ ۷؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۷؍فروری ۲۰۱۶ء کو بعد نماز عصر یہ اندوہناک خبر ملی کہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل، کرناٹک کے مہتمم مولانا عبدالباری ندویؒ نے منگلور ہسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ڈھائی ماہ قبل مہلک مرض کینسر کا انکشاف اس وقت ہوا تھا جب وہ خطرناک مرحلہ میں پہونچ چکا تھا، علاج بنگلور اور مینگلور کے ہسپتالوں میں جاری رہا، اور آخر وہ حادثہ پیش آگیا جس کا اندیشہ تھا، اگلے روز نماز جنازہ جامع مسجد بھٹکل میں مرحوم ہی کے فرزند مولوی عبدالاحد ندوی نے پڑھائی، نماز جنازہ اور تدفین میں ہزار ہا ہزار افراد نے شرکت کی اور بھٹکل ہی کے قدیم قبرستان میں مدفون ہوئے۔ پسماندگان میں ضعیف والدین، غمزدہ اہلیہ، ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں، ماشاء اللہ تینوں فرزندان ندوی فاضل ہیں۔

مولانا مرحوم کی پیدائش ۱۹؍نومبر ۱۹۶۱ء کو ہوئی، جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی تعلیم کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالمیت پھر تخصص فی الحدیث ۱۹۸۳ء میں کیا، اسی سال جامعہ اسلامیہ میں مدرس ہوگئے، تفسیر قرآن اور حدیث شریف کے مؤقر استاذ کی حیثیت سے نمایاں ہوئے اور ۱۹۸۴ء میں بھٹکل کی جامع مسجد کے امام وخطیب مقرر ہوئے، ۱۹۸۷ء-۱۹۹۰ء جامعہ کے معاون مہتمم اور ۱۹۹۸ء-۲۰۰۰ نائب مہتمم اور پھر اس کے بعد انتقال تک جامعہ کے منصب اہتمام کو زینت بخشی۔

مولانا مرحوم کی علمی اور دینی خدمات کے متنوع پہلو ہیں، جن میں دو پہلو نہایت اہم ہیں: ایک تدریسی وانتظامی اور دوسرا دعوتی و اصلاحی، انہوں نے جہاں ایک طرف اپنی زندگی کے ابتدائی چند برس چھوڑ کر پوری زندگی جامعہ کے لیے بطور طالب علم، مدرس، معاون مہتمم، نائب مہتمم اور مہتمم کے وقف کردی، اور قابل ذکر خدمات انجام دیں، ان کے دورِ اہتمام میں جامعہ کو بے پناہ ظاہری ومعنوی ترقی وشہرت ملی، متعدد علمی وتحقیقی شعبے کھلے، اساتذہ وطلبہ کی تعداد میں قابل لحاظ اضافہ ہوا، تعمیرو ترقی کا شعبہ بھی نظروں کو خیرہ کرتا رہا اور پھر آخر میں ابھی دو برس قبل جامعہ کی تاسیس پر پچاس سالہ جشن تعلیمی بھی منعقد کیا گیا۔ دوسری طرف جامع مسجد کی امامت وخطابت کے منصب سے بھی انہوں نے پورے خطہ میں انمٹ نقوش چھوڑے، جامع مسجد میں درس قرآن کا معمول رہا جس سے ہر طبقہ کے لوگ یہاں تک کہ انجینئرنگ کالج کے طلبہ اور بیرون ملک مقیم ہزاروں بھٹکلی احباب انٹرنیٹ پر نشر ہونے کی وجہ سے اہتمام سے سنتے رہے، اہل بھٹکل کی جماعت المسلمین کے شعبۂ اصلاح وتبلیغ کے ذمہ دار کی حیثیت سے شہر بھٹکل بالخصوص اس کی نوآبادیاتی کالونیوں میں اصلاح وتربیت کا فریضہ انجام دیتے رہے، قرآن وحدیث کے دروس، جمعہ کے خطبات وخطابات اور نجی وعوامی ملاقاتوں کے ذریعہ وہ بڑے بیباکانہ انداز میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے، اس سلسلہ میں نہ تو وہ کسی صاحب ثروت ودولت کی دنیاوی وجاہت کا لحاظ کرتے اور نہ کسی کی ملامت کی پرواہ، ہر وقت ان کے پیش نظر رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ ربانی ہوتی تھی، اسی طرح مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے نائب صدر کی حیثیت سے اس کے جنرل سکریٹری مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی کی مکمل ہمت افزائی اور بھرپور تعاون کرتے، اس کی تعلیمی ودعوتی سرگرمیوں میں ہر موقع پر حصہ لیتے رہے، اس طرح فراغت کے بعد تیس سال سے زائد کی مدت مولانا مرحوم نے تعلیم ودعوت میں گذاردی اور اپنے پیچھے اچھی یادیں اور قابل تقلید کارنامے چھوڑ گئے، خلاصہ یہ کہ مولانا نے بھٹکل کی موجودہ دینی اور تعلیمی ترقی میں زبردست رول ادا کیا اور اہالیان بھٹکل کے محسن قرار پائے، ان کی ذات میں ایک مدرس، معلم، منتظم، مربی، مصلح، داعی اور مخلص وخیرخواہ اور سب سے جدا مگر سب کا رفیق بننے کے نمونے موجود ہیں۔

مولانا مرحوم نے اچھی اور قابل رشک دینی و اصلاحی ترقی کی تھی، اوران کی اس خصوصیت کو دیکھ کر ان کے شیخ ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے انہیں بیعت وارشاد کی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا تھا جس کے اثرات ان کی زندگی پر مزید نمایاں ہوئے اور زندگی کے آخری لمحات میں بھی ایمان ویقین، صبر وشکر، تواصی بالحق وتواصی بالصبر اور اعلان توحید وفکر آخرت سے پورے طور پر معمور تھے، اور آخری دن مسلسل زبان و

دل سے ذکر الٰہی میں رہ کر جو لوگوں کے مشاہدے میں تھا، اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، دوران مرض مرحوم نے اُن ملنے والوں اور دور رہنے والوں سے بذریعۂ فون اپنی کوتاہیوں کے لیے معافی مانگی جن کے بارے میں ان کو گمان تھا کہ کبھی کسی بھی اعتبار سے ان کے دل کو ہم سے تکلیف یا ٹھیس پہونچی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ انتقال کے بعد ایسی مقبولیت ومحبوبیت ظاہر ہوئی جو صرف خاصان خدا کا حصہ رہی ہے۔

وفات کی خبر ندوہ واہل ندوہ کے لیے بجلی بن کر گری، اگلے روز بھٹکلی اساتذہ وطلبہ نے غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مہتمم دار العلوم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، نائب مہتمم مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی اور اساتذہ نے دعائے مغفرت کی، جمعرات ہی کو تدفین کے بعد مسجد دار العلوم میں تعزیتی جلسہ بھی ہوا۔

واضح رہے کہ بنگلور کے سفر میں دوران علاج مرحوم کے مخدوم ومرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، جناب شاہد حسین، مولانا سید سحبان ثاقب ندوی نے عیادت کی اور پھر بعد میں مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی بغرض عیادت بنگلور کا سفر کیا۔

وفات کی خبر سے متاثر ہو کر فوری طور پر مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء نے جو تعزیتی مکتوب اہل بھٹکل اور ندوی برادری کے لیے بطور تعزیت ارسال کیا، وہ قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے:

مکرمی برادر عزیز مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی قابل فخر فرزند ندوۃ العلماء محسن بھٹکل مولانا عبد الباری ندوی بھٹکلی کے حادثۂ وفات کی دلدوز خبر ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی دینی، علمی اور اصلاحی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

مولانا مرحوم کی بیماری کی اطلاع ہوتی رہتی تھی، اور اس حادثہ کا اندیشہ تھا، لیکن ان کی عمر کے پیش نظر دل کو یہ تسلی بھی ہوتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحت عطا فرمائے گا اور وہ اپنی دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہو جائیں گے، لیکن مقدرات پر کس کا زور چلا ہے اور یہ حادثہ ایسا دل ودماغ کو متاثر کرنے والا ہے جس کا اثر بہت دن تک قائم رہے گا۔

ان کے اہل وعیال اور خاندان سے راقم السطور کی طرف سے تعزیت پیش فرما دیں اور اسی طرح اہل بھٹکل اور تمام ندوی برادری سے تعزیت پیش ہے۔

فقط والسلام

محمد حمزہ حسنی ندوی

ناظر عام ندوۃ العلماء

یہ مکتوب بھٹکل کے ایک بڑے تعزیتی جلسہ میں پڑھ کر سنایا گیا جس سے لوگوں کو بڑی تسلی ہوئی۔

ندوہ میں تعزیتی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مخدوم ومرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے فرمایا کہ: مولانا عبد الباری ندویؒ بڑی خصوصیات کے حامل تھے، ان کی علمی صلاحیت کا ہر ایک نے اعتراف کیا، انتظامی لحاظ سے بھی وہ بڑے فائق تھے، وہ بھٹکل کی جامع مسجد کے خطیب تھے، ان کے خطبات کی مقبولیت کی وجہ سے دور دور سے لوگ ان کے پیچھے نماز کے لیے آتے تھے، انہوں نے عمر کی صرف ۵۴ بہاریں دیکھیں، لیکن کئی قابل ذکر کام انجام دیے۔

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کہا کہ: مولانا مرحوم دار العلوم ندوۃ العلماء کے مایۂ ناز فرزند تھے، ان کے زمانۂ اہتمام میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کو بڑی وسعت وترقی حاصل ہوئی اور طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا، وہ مقصدیت کی روح سے معمور تھے اور ہر کام محض رضائے الٰہی کے لیے کرتے تھے، وہ کئی نسل کے مربی تھے، انہوں نے مقصدیت کی روح طلباء کے اندر پیدا کی۔

جلسہ کی نظامت کرتے ہوئے مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے کہا کہ: مولانا عبد الباری ندوی یک درگیر محکم گیر کا عملی نمونہ تھے، ان کا مطالعہ بہت گہرا اور وسیع تھا، جامعہ میں حدیث کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے، تفسیر قرآن کا بھی درس دیتے تھے، کئی دور مکمل کر چکے تھے، ان کی ذات دُرِ نایاب تھی، وہ اپنے اساتذہ کے بڑے قدر داں تھے۔

جلسہ کا آغاز حماد رکن الدین (علیا ثانیہ شریعہ) کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، اور صدر محترم کی دعا پر اختتام ہوا۔ جلسہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی، مولانا حسب اللہ ندوی، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، اساتذہ وطلباء بڑی تعداد میں موجود تھے۔

مولانا مرحوم پر بھٹکل اور دیگر مقامات پر تعزیتی جلسوں کا سلسلہ جاری ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے خطابات بھی موبائل میں رکارڈ کیے گئے اور بھٹکل کے ایک تعزیتی جلسہ میں سنائے گئے، جس سے لوگوں کو بڑی تقویت ملی اور ڈھارس بندھی۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، ان کے درجات بلند فرمائے، پسماندگان واہل تعلق کو صبر جمیل دے اور ملت کو نعم البدل عطا کرے، آمین۔

☆☆☆☆☆

کاروان علم و دعوت

دینی تشخص کا بقاء سب سے اہم مسئلہ!

ممبئی میں تین دن اور حضرت ناظم ندوۃ العلماء کے اہم خطابات

محمود حسن حسنی ندوی

مولانا خالد بیگ ندوی ٹمکوری نے بنگلور کے لیے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی تاریخ اپنے اسکولی نظام کے استحکام کے لیے ملک میں اس کی شاخوں کے ذمہ داروں کے اجتماع کی لی تھی، جس کو ایک سیمینار کی شکل دے کر جنوری ۲۰۱۶ء کے پہلے ہفتہ میں انعقاد کا فیصلہ کیا، اور حضرت مولانا مدظلہ کے سفر کا نظام دسمبر کا آخری عشرہ ممبئی میں گذار کر بنگلور جانا طے پایا، مگر سیٹیں کنفرم نہ ہونے کی وجہ سے ۲۱ سے ۲۳، پھر ۲۳ سے ۲۵، اور ۲۵ سے ۲۶ر دسمبر تک کے لیے مؤخر ہوتا رہا، اور ۲۶ر دسمبر کو دن کی ٹرین سے روانہ ہوکر دوسرے دن ۲۷ر دسمبر کی رات کو ممبئی پہونچے، کانپور اسٹیشن پر شام کے وقت مشہور ماہر امراض چشم ڈاکٹر محمود رحمانی، ان کے دوست جناب توفیق بھائی وغیرہ شام کے کھانے کے ساتھ آئے، آگرہ، متھرا کے اسٹیشن رات میں پڑے، سخت سردی تھی اور پانی اتنا ٹھنڈا تھا کہ شیلانگ یاد آ گیا، صبح کوٹہ (راجستھان) گذرا، اہل تعلق صبح کی وجہ سے نہ آسکے، رتلام (مدھیہ پردیش) میں مدرسہ قمر المعارف کے بانی و مہتمم مولانا عتیق احمد خلیفہ حضرت مولانا شاہ قمر الزماں اور ان کے ساتھ مدرسہ کے اساتذہ وغیرہ تشریف لائے، حضرت مولانا مدظلہ نے ان سے مل کر اپنے رفقاء سے فرمایا کہ ان سے مل کر طبیعت مانوس ہوئی، دوحد میں گودھرا کے مفتی ابراہیم قاسمی (معتمد تعلیم دار العلوم گودھرا) مولانا اختر ندوی اور بعض اہل تعلق کھانا لے کر آئے، گودھرا تک ساتھ رہے، اور کچھ دینی موضوعات پر گفتگو ہوئی پھر گودھرا اسٹیشن پر یہ لوگ اتر گئے، فرط تعلق میں گودھرا کے یہ حضرات گودھرا سے دوحد اپنی گاڑی سے آ گئے تھے پھر گاڑی واپس کردی اور ٹرین میں ساتھ ہوکر گودھرا اترے، گودھرا اسٹیشن پر مولانا عبدالستار مہتمم دار العلوم گودھرا نے یہ درخواست پیش کی کہ اختتام سفر پر کوئی تاریخ گودھرا کے لیے مل جائے، دار العلوم میں دار الحدیث کا سنگ بنیاد حضرت مولانا مدظلہ کے دست مبارک سے رکھوانا ہے، ناظم سفر جناب شاہد حسین نے حتی الامکان اس پر عمل کا یقین کرایا، پھر بروڈہ میں مولوی ابو ہریرہ آئے، سورت کے اہل تعلق کو معلوم ہو اور وہ نہ آئیں، چنانچہ منیار خانوادہ کے بھائی خالد منیار اور ان کے ساتھ متعدد اہل تعلق جمع تھے، محمد طاہر سورتی مؤذن مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء کے بھائی اور دیگر حضرات تھے، یہ ٹرین گجرات کے راستہ سے آنے کی وجہ سے پشپک کے مقابلہ چھ گھنٹہ لیٹ آئی۔

سہاگ پیلیس کا قیام

معمول کے مطابق محمد بھائی مرحوم کے سہاگ پیلس مدن پورہ کی نویں منزل میں قیام ہوا، اور دو دن ۲۸، ۲۹ر دسمبر کے اس قیام میں اگرچہ کوئی متعین پروگرام نہ تھا، لیکن ۲۹ر دسمبر کو دینیات کا تعلیمی کا مرکز دکھانے کے ارادے سے بھائی رفیق دودھ والا وہاں لے گئے، اور اس مناسبت سے حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے خطابات ہوئے۔

۲۸ر دسمبر کی صبح ملاقات کے لیے بھی لوگ کم آئے، دھیرے دھیرے لوگوں کو اطلاع ہوئی، عصر بعد گجرات کے ممتاز عالم و داعی مولانا عبداللہ کاپودروی کی عیادت کے لیے ان کے مستقر پر حضرت مولانا مدظلہ تشریف لے گئے، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور رفقاء بھی ساتھ تھے، یہاں مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی بھی ساتھ تھے، واپسی میں وہ بھی قیام گاہ ساتھ آئے، اور مغرب بعد مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی ان کے ساتھ الگ نشست رہی، جس میں ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء کے حج کے واقعات کا تذکرہ ہوا جس میں شاہ فیصل شہیدؒ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ بڑی خصوصیت اور امتیاز کا معاملہ کرتے ہوئے وفود سے ملاقات میں انہیں اپنے ساتھ نشست دی تھی، اور چوں کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مرافق تھے، اس لیے ان کو بھی حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ بٹھایا گیا تھا، نہ کہ ان عمومی نشستوں میں جو سامنے تھیں، اگلے روز رمی جمار کے بعد حضرت مولاناؒ رفقاء سے الگ ہوگئے تھے، آپ کو نظر بھی کم آتا تھا، اس دشواری کے باوجود جو نصف سے زائد دن کے فراق کی تھی، تسلیم و رضا، صبر و تحمل، محاسبۂ نفس جیسی ان کی صفات جلوہ گر ہوئیں، اور کسی کو انھوں نے مورد الزام نہیں ٹھہرایا۔

ملاقات کے لیے ممبئی شہر اور بھیونڈی وغیرہ سے بھی لوگ آ گئے تھے اور عشاء کو اپنی اپنی قیام گاہ واپس ہوئے۔

دینیات ممبئی میں چند لمحات

قیام مکاتب اور تحقیق و اشاعت کتب تعلیم و

دعوت کا مرکز بھائی رفیق دودھ والا نے سنٹرل ممبئی میں قائم کیا، اور فائن ٹچ کی عمارت کے بعد اس کے قریب ہی مکتبہ ابن کثیر کے پاس ایک سنیما ہال کو خرید کر اس میں بھی یہ نظام قائم کیا، اور ایسا ۱۵ سالہ نصاب ونظام تعلیم مرتب کیا ہے کہ اسکولی تعلیم کے ساتھ، اس کی ڈگریوں کے حصول کے ساتھ عا لمیت کا نصاب بھی پورا کرلیا جائے، یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس کی شاخیں پورے ملک میں پھیل گئی ہیں، اور رفیق صاحب اپنے مالی صرفہ کے ساتھ اپنا پورا وقت بھی دیتے ہیں، بھائی رفیق کے ٹاور ابراہیم پیلیس میں حضرت مولانا شاہ قمرالزماں مدظلہ کا قیام تھا، وہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ۲۹؍دسمبر کو صبح ناشتہ پر مدعو تھے، وہ اپنے رفقاء کے ساتھ وہاں گئے، اور پھر ان کے مرکز دینیات بھی تشریف لے گئے، حضرت مولانا شاہ قمرالزماں بھی تشریف فرما تھے، اور پہلی بات انہی کی تھی، جس میں انہوں نے فرمایا:

”خیار امتي من دعا الی اللّٰہ و حبّب عبادہ الیہ“ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کے افراد واشخاص جس نہج پر کام کررہے ہیں، وہ صحیح اسلامی نہج ہے، حاجی رفیق دودھ والا بڑا مبارک کام کررہے ہیں، دینیات کے کام کو سارے ہی علماء تسلیم کررہے ہیں، یہ ان کے لیے بڑی خوش نصیبی کی بات ہے کہ یہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی تشریف فرما ہیں، دونوں ہی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ ہیں، ان دونوں بزرگوں کی تشریف آوری بڑی مبارک ہے۔

حدیث ”خیار أمتی من دعا الی اللّٰہ و حبّب عبادہ الیہ“ بڑی اہمیت کی حامل ہے، اللہ تعالیٰ جس نہج پر جس سے کام لے اس کو وہ مبارک ہے، آج کے سخت تاریک حالات میں دین کا چراغ جلائے رکھنا بڑا اجہاد ہے، اور اللہ کے بندوں کو اس کا محبوب بنانے کا کام کہ ”وحبب عبادہ الیہ“ حدیث پاک کا دوسرا ٹکڑا ہے، دین کے ان کاموں پر لگنے سے بندے محبوبیت کے راستہ پر پڑتے ہیں۔

حضرت مولانا قمرالزماں مدظلہ کی پرمغز تمہیدی وتعارفی گفتگو کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: حضرت مولانا کی باتوں سے آپ لوگوں کو بڑی روشنی ملی ہوگی، یہ باتیں تربیت کے لیے ضروری ہیں اور تربیت سے ہی انسان بنتا ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے محترم رفیق صاحب نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کا دائرہ خوب وسیع ہے، یہ بزرگوں سے ربط رکھتے ہیں، ان کے یہاں حضرت مولانا قمرالزماں کا قیام ہوتا ہے، اس کی برکات اور ان کے مشوروں سے فائدہ حاصل ہورہا ہے۔

ہمارے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا طریقہ تھا کہ وہ سبھی بزرگوں سے ربط وتعلق رکھتے تھے، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ سے بڑا ربط تھا، جن کے قائم مقام حضرت مولانا قمرالزماں مدظلہ ہیں، اور مجھ کو بھی ان کی عنایات اور شفقتوں سے تقویت ملتی ہے، اور میں شوق رکھتا ہوں کہ ان کی خدمت میں الہ آباد حاضر ہوں، پھر فرمایا: آج دنیا نے تسلیم کرلیا ہے کہ تعلیم وتربیت دونوں ضروری ہیں، میں نے اپنے اساتذہ سے علم کو عملی بنانے کے لیے علم حاصل کیا، علم صرف نظریاتی نہیں کہ کچھ نہ کرنا پڑے، یہ اسی طرح ہوگا کہ لاکھوں کی رقم تجوری میں بند ہو اور اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جارہا ہے، اور علم کا معاملہ یہ ہے کہ صرف اپنا فائدہ نہ اٹھایا جائے بلکہ دوسروں کو فائدہ پہونچایا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دور شروع ہوا وہ علم کا دور شروع ہوا، علم اتنا عام ہوتا گیا کہ جزو زندگی بن گیا، مسلمانوں نے علم کے اندر بہت ترقی کی، آج جو علم یورپ، امریکہ وغیرہ میں حاصل کیا جارہا ہے، وہ مطلب اور غرض کا علم ہے، وہ اس میں لگتے ہیں اور کمال پیدا کرتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا علم حاصل کرتے ہیں، اس میں کمال پیدا کرنے اور عمل میں لانے اور دوسروں کو نفع پہونچانے کی ضرورت ہے، جو علم حاصل کیا اس کو عملی نہ بنانے کا نقصان ہوتا ہے، اس نقصان سے بچنے کے لیے تربیت کی ضرورت پڑتی ہے، اور بزرگوں ومصلحین کے پاس جانا پڑتا ہے، ایک ایک کرکے ہمارے یہ مصلح علماء رخصت ہوتے گئے جو چند رہ گئے ہیں، ان میں حضرت مولانا قمرالزماں کی شخصیت نمایاں اور اہم ہے، میں نے مختلف بزرگوں اور بڑے علماء کو دیکھا اور ان کی جو صحبت اٹھائی ہے، اس کی روشنی میں یہ چند باتیں عرض کیں، یہاں بھائی رفیق صاحب کے نظام تعلیم وتربیت سے جڑ کر آپ نے اچھا کام کیا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو عملی بنانے کا یہ راستہ ہے، آپ اس کام کو بہت جی لگا کر کریں تا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم دور دور تک اور دوسروں تک پہونچایا جاسکے۔

اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمان بحیثیت مسلمان کیسے رہیں اور صرف اس ملک کا مسئلہ نہیں دنیا کا مسئلہ ہے، اسلام کے تحفظ وبقا کا مسئلہ ہے، دینی شخص کے بقا کا مسئلہ سب سے اہم مسئلہ ہے، اس کا خیال رکھ کر آپ یہاں کام کرتے رہیں۔

اس کے بعد بھائی رفیق صاحب نے دینیات

کے نظام تعلیم کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ: اس پندرہ سالہ نصاب ونظام سے پہلے پانچ سال میں قرآن مجید پورا ہوجاتا ہے، اور انٹرنیٹ کے ذریعہ ایک لاکھ سے زیادہ طلبہ اس سے جڑے ہوئے ہیں، اتنی بڑی تعداد نے یہ امتحان دیا، آخر میں حضرت مولانا قمرالزماں مدظلہ کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

جوگیشوری میں

دیناپات سے سہاگ پیلس میں آکر پھر جوگیشوری کے لیے جناب اسماعیل بھولا ندوی کی دعوت پر حضرت مولانا مدظلہ اور ان کے رفقاء روانہ ہوئے، اور چند گھنٹوں کے قیام کے بعد رات کا سفر بنگلور کا تھا جو۲۴؍گھنٹہ کا تھا، بھائی اسماعیل بھولا ندوی کے مکان پر مستورات میں جو باتیں حضرت مولانا مدظلہ نے فرمائیں، وہ درج ذیل ہیں، فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اس نے توحید کو اختیار کرنے اور ماننے کی توفیق دی، دعوت دین کا سب سے اچھا کام ہے، ایمان قائم رکھنے اور ایمان کے تقاضوں کو سامنے رکھنے سے جذبۂ تشکر پیدا ہوتا ہے، اور شکر پر اللہ تعالیٰ کے انعامات مزید آتے ہیں، سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی یہ ہے کہ اس نے ایمان عطا فرمایا، ہم جس قدر اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلیں، اس کی اطاعت کریں، اور اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی ہدایات کو مانیں، یہ سب شکر ہے، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یہ سب شکر ہے، دنیا کی زندگی محدود زندگی ہے، سب فائدہ ہے، راحتیں چھوٹ جاتی ہیں، پھر آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی، جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، اور ایمان کے جو تقاضے ہیں، ان کو پورا کرنے کی توفیق دی، اس کا فائدہ دنیا وآخرت میں حاصل ہوگا۔

بھائی اسماعیل بھولا ندوی کے والد اور چچا صاحبان اور دوسرے اہل تعلق سے ملاقات اور چچا عثمان بھائی بھولا کی عیادت بڑا سبب تھا کہ جوگیشوری حضرت مولانا مدظلہ تشریف لے گئے، حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری جو حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی عیادت کو ممبئی تشریف لائے ہوئے تھے، ان کو حضرت کی آمد کی اطلاع ملی تو فوری طور پر جوگیشوری تشریف لائے اور کچھ دیر حضرت مولانا کے ساتھ تشریف فرما رہے، اور اپنے درپیش سفر ملاوی کے دعا کے لیے ذکر کیا، اور مولانا معاذ ندوی سے ملاوی کے گذشتہ سفروں میں اچھی ملاقاتوں کا تذکرہ کیا، حضرت نے انہیں اپنی کچھ کتابیں ہدیہ فرمائیں جو بسروچشم قبول کیں، اور مولانا سید سبحان ثاقب ندوی (مرافق حضرت مولانا مدظلہ) کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا کہ ان کی ''وقائع احمدی'' کی پہلی جلد ہمارے یہاں مجلس میں ختم اور دوسری جلد شروع ہوگئی ہے، پھر وہ بھی تشریف لے گئے اور حضرت مولانا مدظلہ بھی عازم سفر بنگلور ہوئے۔

☆☆☆☆☆

طوبیٰ بکڈپو لکھنؤ

ہمارے یہاں قرآن وحدیث، علمی وادبی، درسی وغیر درسی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور اسکے ملحقہ مدارس کی کتابیں اور لغات مناسب قیمت پر دستیاب ہیں۔

پتہ: طوبیٰ بکڈپو، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ

موبائل نمبر: 9005505629

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ **قرآن مجید کا پیغام**

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے، جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مفتی محمد سرور فاروقی ندوی نے دعوت سے متعلق ہندی، اردو، عربی، انگریزی میں 200 سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں جنہیں درج ذیل پتہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 09919042879, 0998449015

علم نافع

تعلیم کا مقصد انسان بننا اور بنانا

سید سبحان ثاقب ندوی

انسانی مخلوق کا امتیاز

ایک تعلیمی سیمینار میں اسلامی روح کے ساتھ عصری تعلیم کے لیے فکر مند مولانا خالد بیگ ندوی نے DAPS کے اسکولی نظام کے آغاز کے اسباب میں صدر جلسہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی کتاب ''سماج کی تعلیم و تربیت'' کا ذکر کیا کہ اس نے ہم کو اس کے رہنما اصول عطا کیے، DAPS کے ملک بھر کے ذمہ داروں سے حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ:

تعلیم بہت بڑا عمل ہے، علم کہتے ہیں جاننے کو اور یہ انسانی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا امتیاز ہے: ''عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ''، اللہ تعالیٰ نے انسان کو معلومات دیں جو اس کے پاس نہیں تھیں، کیوں دیں؟ یہ کیوں؟ کیسے؟ کنجی ہے کام کی کیوں دی، اور کیسے اس علم پر عمل ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آبادی دنیا میں بسا دی، کیوں بسادی؟ اس آبادی کو آپس میں کیسا رہنا ہے، اس کے لیے علم کی ضرورت ہے، جیسی اچھی تعلیم ہوگی، ایسی اچھی معاشرت ہوگی، تعلیم صرف اپنے فائدہ کے لیے ہوگی، انسان خود غرض ہو کر جئے گا، اس کے ذریعہ دوسرے کو فائدہ پہونچایا جائے، یہ انسانیت ہے، آج تعلیم کا مقصد بدل گیا ہے، معلومات بہت ہوگئیں، اور جدید وسائل عام ہوگئے لیکن مقصد فوت ہوگیا، انسان جانوروں سے بدتر ہے، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی طرح اپنے رہنے کے لیے انسانوں کو پیدا نہیں کیا، اگر انسان جانور کی طرح رہنا چاہتا ہے تو اس کو معلومات کی ضرورت نہیں ہے۔

معلومات دو طرح کی ہیں، ایک تو خود سے مشاہدے و محسوسات سے حاصل ہو جاتی ہیں جیسا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، ملنا جلنا وغیرہ، اور ایک معلومات وہ ہیں جو استاد سے حاصل ہوتی ہیں، اس میں بھی معلومات دو طرح کی ہیں، ایک تو تمدن سکھانے کی ہیں، ایک اس سے اعلیٰ ہیں جو اللہ نے آخرت کی کامیابی کی دی تھیں، وہ معلومات ہیں، جائز ناجائز کی، حلال وحرام کی۔

اس وقت تعلیم خود غرضی کی منزل میں آکر صرف اپنی شان بگھارنے کی ہو کر رہ گئی ہے، اور عالمی تعلیمی نظام اسی کے مطابق بن گیا ہے، آج ہمیں دنیا میں اپنے آرام کی فکر اور شان دکھانے کی فکر ہے، مسلمان کو یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے، اس کا بڑا مقصد ہے، اس کو مقصد سمجھے، یہ نہیں کہ ہماری زندگی کاروباری زندگی بن جائے، اکبر الہ آبادی نے خوب کہا

کیا بتائیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے
بی اے ہوئے، نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

آج کیا ہوا، ملازمت کی، زندگی دوسرے کے غلام بن کر گذار دی، دنیا کو کیا دے کر گئے، کوئی قابل ذکر چیز نہیں، صرف اپنے اور اپنے گھر کے لیے جئے اور مر کر چلے گئے، یہ مغربی تعلیم کا فلسفہ ہے، مثالی انسان بننا اور پھر دوسروں کو مثالی انسان بنانا، یہ ہے تعلیم کا اعلیٰ مقصد، یہ ہے علم کا فائدہ، یہ ہے تعلیم کا مقصد، ہمارے خالق ومالک نے علم والی مخلوق بنایا، بغیر علم والی مخلوق ہی بنا سکتا تھا، اونٹ علم حاصل کر سکتا ہے؟ نہیں! گھوڑا، شیر، ہاتھی علم کر سکتے ہیں؟ نہیں، انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ علم حاصل کرے، اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ صرف کھانے پینے میں نہ رہیں، اعلیٰ انسانی قدروں کو عام کریں، آج انسانی سماج کو اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، پہلے تو گھر کے رواج و معلومات سے لوگ حاصل کر لیتے تھے، اس کے لیے کسی اسکول وکالج کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، مدرسہ و اسکول اعلیٰ مقصد کے لیے ہوتے تھے لیکن یورپ نے علم کو صرف کھانے پینے کے لیے مخصوص کر دیا ہے، اس کے باوجود ان کے یہاں بھی علم کی قدر ہے۔

آکسفورڈ سنٹر میں دو مسئلے سامنے آئے، ایک مسئلہ ایک سنٹر کی منظوری کا تھا جس کا صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو بنایا گیا تھا، اور ایک مسئلہ تھا کہ برطانیہ کی وزارت داخلہ مارگریٹ تھیچر کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا، انتظامیہ نے علم کی بنیاد پر پہلے مسئلے کو منظوری دی، دوسرے مسئلہ کو پس پشت ڈال دیا کہ وزیر اعظم ہونے سے کیا ہوتا ہے، یہ سیاسی حیثیت ہے، ان کی علمی حیثیت ایسی نہیں ہے کہ ان کو یہ علمی حیثیت دی جائے، مسلمان تو انسانی قدروں سے اوپر اٹھ کر اسلامی قدروں کی بات کرے گا لیکن غیر مسلموں کے لیے انسانی ہمدردی کی بات کی جائے گی، ہمارا نصاب تعلیم و نظام تعلیم وہ ہو جو مثالی انسان بنانے والا ہو، مسلمان غیر مسلم دونوں وہاں آئیں، اور ایک اچھا اور مثالی انسان بن کر جائیں، حق تو یہ تھا کہ ہم اعلیٰ اسلامی قدروں

کواختیار کرتے مگر موجودہ نظام تعلیم سے ایک خود غرض اور مادہ پرست انسان بن کررہ گیا ہے۔

صحیح نظام تعلیم کو نافذ کرنے میں عصری طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، جس کی وجہ سے مغربی نظام تعلیم کی طرف وہ بچے بھیجے جاتے ہیں، جو مونٹیسری کا نظم ہے، کھیل کے ذریعہ بچوں کے شوق کی چیزوں کے ذریعہ اچھا انسان بنانا، یہ اسکول اچھا انسان بنانے کے کارخانے ہیں۔

دراصل ہمارا تعلیمی نظریہ مغربی تعلیمی نظریہ سے بالکل مختلف ہے، ہمارا نظام تعلیم تربیتی نظام بھی ہے جس میں انسان بننا اور انسان بنانا بھی ہے، اور مغربی نظام تعلیم صرف ہم اور میں تک محدود ہے، کتابوں میں سب موجود ہے لیکن تنہا کتاب اثرنہیں ڈالتی جواثر استاد ڈالتا ہے، وہ دوسرا نہیں ڈال سکتا، استاذ رکھنے میں اسکا خیال بھی ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ قدروں کا حامل اور پاکیزہ ذوق ومزاج رکھتا ہو، استاذ تربیتی کارخانہ کا کاریگر ہے۔

آپ حضرات چونکہ اسکولوں اور مدارس کے ذمہ دار ہیں، اس لیے آپ حضرات اس کو عمل میں لاسکتے ہیں، اس لیے یہ چند باتیں عرض کردیں۔

یورپ کا علم ردوبدل کا شکار ہے

عالم اسلام کے مسائل، حالات وتغیرات سے بڑے واقف کار عالم دین معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے فرمایا کہ:

یہاں اس قت جو لوگ جمع ہیں، وہ سب لوگ ذمہ دار ہیں، یہ اجتماع منتظمین کا ہے، مناسب ہے کہ انتظام سے متعلق بات کی جائے، ایک مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے، اس پر مختلف موقعوں پر سیمینار ہوچکے ہیں، ایک بڑی عالمی کانفرنس ۱۹۷۶ء میں مکہ مکرمہ میں ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے توسط سے ہوئی تھی جس میں ایک سوالنامہ تیار کیا گیا تھا، یہ کام ندوۃ العلماء کے سپرد کیا گیا تھا، اور ندوہ کے منتظمین نے ہمارے حوالہ کردیا تھا، وہ سوال نامہ ہم نے مرتب کیا اور وہ دنیا کے ۳۵ ملکوں میں بھیجا گیا تھا، ساڑھے پانچ سونمائندے شریک ہوئے اور اس سوالنامہ کے جوابات کی روشنی میں کچھ اہم فیصلے کیے گئے۔

مختصراً مجھے عرض کرنا ہے کہ تعلیم کے دو نظام رائج ہیں، ایک قدیم نظام جو مدارس کا ہے، اور ایک عصری جدید نظام جس پر مغربی نظام تعلیم کا اثر ہے، ان دونوں نظام کو جوڑا کیسے جائے، یہ سب سے اہم مسئلہ ہے، قدیم نظام تعلیم یعنی مدارس کا نظام اس لیے ضروری ہے کہ اس سے دین و آخرت کا مسئلہ جڑا ہوا ہے، دوسرا نظام اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ترقی کے دور میں شامل ہوا جاسکتا ہے۔

مولوی خالد بیگ ندوی کا نظام تعلیم ہم کو پسند آیا، یہ علوم عصریہ میں اسلامی فکر کا انجکشن لگاتے ہیں، اس کے اچھے نتائج ظاہر ہورہے ہیں، اس سے دینی تربیت بھی ہوتی ہے اور دینی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں، جیسے حساب میں میراث کی تقسیم کا پیغام دے دیتے ہیں وغیرہ، آج کا ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ آج کا نظام تعلیم صنعتی ہوگیا ہے، اس سے وہ رجحان بڑھ رہا ہے جو صنعتی ہے۔

علم کا تعلق کاروبار سے نہیں ہے، اگر علم کو مادی اغراض سے جوڑ دیا جائے تو علم کی ترقی رک جائے گی، ہمارے اہل علم نے پوری پوری عمر محنت وتحقیق میں گذاردی، یورپ نے اسی سے ترقی کی تھی لیکن اب یورپ کی ترقی رک گئی، انہی تحقیقات پر ان کی گاڑی چل رہی ہے، جو ایک دوصدی پہلے انہوں نے کی، درحقیقت محنت وتحقیق کا رجحان یورپ سے ختم ہوگیا ہے، یورپ کا علم ردوبدل کا شکار ہے، وہ اس لیے کہ یورپ کے علم کا رُخ بدل رہا ہے، علم کا یہ انحراف انسانیت کی تباہی کا سبب بن رہا ہے، اوراب لکھنے والے لکھ رہے ہیں کہ اگر یہ رخ صحیح نہیں کیا گیا تو دنیا تباہ ہوجائے گی اور قیامت آجائے گی، یورپ نے ادب اور میڈیا کے ذریعہ اخلاق کو تباہ کیا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے رابطہ ادب اسلامی اس لیے قائم کی کہ ادب کو صحیح رخ پر لگائیں، میڈیا کے سلسلہ میں اس کی ضرورت ہے، اوراس کی فکر بھی ہمارے اہل فکر کررہے ہیں، اسکول کے نظام میں جو انسان سازی کے مقاصد جوڑنے کا کام ہمارے اہل فکر کررہے ہیں، ان میں مولوی خالد بیگ ندوی اوران کے اسکول کا یہ نظام قابل قدر ہے۔

بنیادی تعلیم کی اصلاح اوراس میں حسن اخلاق کا عادی بنادینے کا عمل بڑا مؤثر اور مفید عمل ہے، اس کا ترکی میں تجربہ کیا گیا اور ایسے افراد تیار ہوئے جن کے ساتھ پھر قیادت آئی اور اقتدار میں آکر اصلاح کا کام کیا، یہ کام بڑی حکمت وعمل کا ہے، لیکن معیار تعلیم بھی لانا ضروری ہوگا تب ہی یہ اسکول ایسے ہوں گے کہ غیر مسلم طلبہ بھی داخل ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ انتظام اچھا ہو، طلبہ واساتذہ دونوں کے اخلاق ایسے ہوں اور تعلیم کا ماحول پرکشش ہو، اس طرح تین اہم اصول اور شعبے ہیں، ان پر توجہ کی گئی تو طلبہ اچھی تعداد میں آئیں گے، لیکن طلبہ کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں تعلیم کا معیار متاثر ہوتا ہے، اس سے کسی صورت میں سمجھوتہ نہیں کرنا ہوگا، نظام کو پرکشش بنانے کے ساتھ معیار تعلیم کو بھی برقرار

رکھنا ضروری ہے، امید ہے ان باتوں کی طرف توجہ کی جائے گی۔

تعلیم مذہب سے الگ نہیں ہے

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے دوسرے دن اپنے آخری رہنما خطاب میں فرمایا کہ: دیکھئے !ایک بات یہ ہے کہ مذہب کو سمجھنے کی ضرورت ہے، مذہب اسلام اور دوسرے ادیان میں بہت بڑا فرق ہے، ہر قوم و مذہب کا ایک طرزِ زندگی ہوتا ہے اور یہ طرزِ زندگی اپنی پسند سے ہوتا ہے، اسلام نے مذہب کو کلچر سے جوڑ دیا ہے، اسلام میں صرف عبادت نہیں ہے، کلچر، تہذیب و ثقافت بھی آتی ہے، یہ سب مذہب کے اندر آجاتا ہے، اسلام جو کہ وحی الٰہی کے ذریعہ ملا ہے، اس نے ایسا طرزِ زندگی عطا فرمایا ہے جو ہماری ضرورت کے مطابق ہے، اور ہمارے مسائل کا حل بھی ہے، ہمارا مذہب پوری ثقافت کو لیے ہوئے ہے، اور انہی ثقافت کو لیے ہوئے ہے جو ہماری ضرورت کے مطابق ہے، ہمارا انداز و طرز سب مذہب کے اندر آتا ہے، اس کو عمل کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت آسان بنادیا ہے، ہمارا مذہب جو ثقافت سے جڑا ہوا ہے، جب سامنے آتا ہے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام میں ہمارے تمام مسائل کا حل ہے، زندگی کے جتنے تقاضے ہیں سب ایک جگہ پر لگ جاتے ہیں، زندگی ایک حد پر جاکر رک جاتی ہے، اسی طرح سائنس کی ایک حد ہے، جہاں تک اللہ تعالیٰ نے موقع دیا ہے انسان وہیں تک جاسکتا ہے، انسان کا ہاتھ ایک حد تک اٹھ سکتا ہے، اس سے اوپر انسان کے بس میں نہیں کہ لے جائے، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر یہ رکھا کہ وہ اللہ کا محتاج ہے، مختلف ادیان اور قوموں نے نام الگ رکھ لیے، اور پھر من مانی زندگی گزارنے لگیں، اور اس الگ تھلگ طرزِ زندگی نے الگ الگ مذہب کی شکل اختیار کرلی، جو یہ سمجھتا ہے کہ مذہب کے بغیر کام کرسکتا ہے، الحادی نظریہ ہے اور اس نظریہ کے حامل لوگوں کے اندر بھی مذہب کی ضرورت چھپی ہوئی ہے، لیکن صحیح طرز زندگی اسلام کا طرز زندگی ہے، اور اس میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام نہ کرے۔

مذہب کے سلسلہ میں مغایرت کا اور غیر ضروری سمجھنے کا احساس نہیں ہونا چاہیے، ہم اپنی زندگی کو ایسی بنائیں کہ اس سے زندگی کی کئی ضرورتیں پوری ہوں، اسی لیے تعلیم میں وہ مضامین رکھے جاتے ہیں جس سے انسانی ضرورتیں اور تقاضے پورے ہوں، اور ان سے آدمی واقف ہوسکے اور سمجھ سکے کہ زندگی کے مسائل کا حل اس سے کیسے لگے گا، ادھر مغربی تعلیمی نظام نے تعلیم مذہب سے دور کردیا تھا، جس کا نتیجہ خود غرضی کی شکل میں ظاہر ہوا اور لاکھوں آدمی مار دیے جائیں، بس ہماری ضرورت پوری ہوجائے، دوائیں بیچنا ہے تاکہ انسان مرے یا جئے، خوراک بیچنی ہے صحیح ہو یا غلط بس پیسہ آئے، ہمارا کاروبار چلے، دوسرے کا جو بھی حال ہو۔

سائنس کی باتوں سے مذہب پر مطمئن کرنے کا جو انداز اختیار رکھا گیا، اس سے بہت سی باتیں مذہب کی جدید تعلیم والوں کو سمجھ میں آئیں حالانکہ مذہب کی ایک ایسی حقیقت ہے جیسے سائنس کی ضرورت نہیں، خود اندر کا احساس اس کو سمجھنے کے لیے کافی تھا، لیکن نظام تعلیم کو مذہب سے کاٹ دینے کے نتیجہ میں اس کی ضرورت پڑی، اور مذہب کی ضرورت کا اس کے ذریعہ احساس پیدا ہوا۔

تعلیم کو مذہب سے الگ ایسا کردیا گیا کہ تعلیم میں مذہبیت کا نام نہیں آسکتا، اس تعلیم کا نقصان خود غرضی کی شکل میں پوری دنیا میں ظاہر ہوا کہ ہم کو کیا ملے گا؟ اس کے لیے بڑے سے بڑا ظلم کرنے کے لیے انسان تیار ہوجاتا ہے، اس وقت دنیا کی صورت حال صرف اپنی ذات ہے، ملکوں کی صورت حال صرف اپنا ملک ہے، امریکہ صرف امریکی مفادات کو سامنے رکھے گا، یورپ صرف یورپی مفاد کو سامنے رکھے گا، اسرائیل صرف اسرائیلی مفاد دیکھے گا اور نام انسان کا اور انسانی مفاد کا لیا جائے گا، اب اسلام نے پورے انسانی مفاد کو سامنے رکھ کر اصول وضع کیے ہیں، باپ کا بیٹے سے تعلق، شوہر کا بیوی سے تعلق، پڑوس کا تعلق، غریب و مفلس کا تعلق، بڑے کا احترام، چھوٹے پر شفقت، بیمار کا خیال، مردے کا اعزاز، مہمان کی تکریم، یہ سب تعلیمات اسلام ہیں، اور موجودہ مغربی نظام تعلیم نے سب کو ایک دوسرے سے جدا اور بے خبر کردیا، ایک ہی عمارت میں رہ رہے ہیں، کچھ خبر نہیں، دوسرا کون اگلے فلیٹ میں ہے معلوم نہیں، ایک صاحب نے سنایا کہ دیکھا کہ ایک شخص کراہ رہا ہے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا بخار ہے، اس کو دوا دی جائے، لاکر دی بہت شکر گذار ہوا، پوچھا بیوی بچے نہیں ہیں، کہنے لگے بیٹا فلاں جگہ ہے، بیوی فلاں جگہ، ایک ہی خاندان کے لوگ، لیکن کسی کو ایک دوسرے کے حال کی کوئی خبر نہیں۔

یہ مغربی تمدن ایک ناسور بن گیا، یہ خودکشی کے اسباب ہیں، جن کی بڑی خبریں آتی ہیں، یہ ان سے جس کے افراد ایک کو دوسرے سے جدا کردیا ہے، ہمارا یورپ جانا ہوا ہے، ان کے نظام تعلیم نے انسانی معاشرہ کو جانور کا معاشرہ بنادیا ہے کہ طاقت ور جانور کمزور جانور کو دبالیتا ہے، اور اسے صرف اپنی فکر ہونی چاہیے یہی حال اس تمدن نے کردیا ہے، اسلامی تمدن کمزور اور پست لوگوں کو

اٹھانا اور طاقت پہونچاتا ہے، عصری نظام تعلیم کی اصلاح کی جو کوشش ہورہی ہے اس کی ہم سب قدر کرتے ہیں، اور اچھی توقعات رکھتے ہیں۔

تعلیم میں اسلامی روح کی ضرورت

مولانا خالد بیگ ندوی نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ہم کو ایجوکیشن کے تمام شعبوں اور طریقوں میں داخل ہوکر اس میں اسلامی روح پھونکنی ہے۔

مولانا سید بلال عبد الحی حسنی ندوی جنرل سکریٹری کل ہند تحریک پیام انسانیت نے کہا کہ: صحیح طریقۂ کار کافی نہیں جب تک جذبہ بھی صحیح نہ ہو، اس لیے مقصد پر نگاہ رکھنی ضروری ہے، اور اس نظام کے ذریعہ سیرت پاک کا عام کرنا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اس لیے کہ " ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کی بات سب کے لیے اور تمام شعبوں کے لیے ہے، یہ بات ایسی ہے جو سب کو فائدہ پہونچاتی ہے۔

تعلیم کو جو مذہب سے الگ کیا گیا، اس خلا کو سیرت واخلاق کا باب ہی پر کرسکتا ہے اور سب کے دل کے دروازے اس کے لیے کھلے ہیں، یہ ایسا نمونہ ہے جس کی پوری انسانیت محتاج ہے۔

یہ تعلیمی سیمنار ۴، ۵ر جنوری ۲۰۱۶ء کو بنگلور سے ۲۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ولیڈ ایڈونیچر ریسارٹ بنرگٹا پر منعقد ہوا، ۱۲۵ اسکولوں کے ذمہ داران ۸۰ افراد شریک ہوئے تھے، اس پرفضا مقام میں جہاں مندوبین کو خیموں میں رکھا گیا تھا، حضرت مولانا مدظلہ اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کو مہمان خانہ میں قیام کرایا گیا اور اصل انہی دونوں بزرگوں کی توجہات سے مستفید کرانا تھا، جس کے لیے یہ نظام اور پروگرام طے کیا گیا۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆**مولانا احمد مصطفی صدیقی راہی** (فاضل دار العلوم دیوبند) مشہور صحافی و مصنف نے ۶ر دسمبر ۲۰۱۵ء مطابق ۲۳ر صفر ۱۴۳۷ھ کو وفات پائی، ۱۹۶۸ء میں انہوں نے اسلامی ڈائجسٹ کے طور پر "ہدیٰ" اور "ہما" نکالا، اسی طرح ہندی ڈائجسٹ "طٰہٰ" کے نام سے ۱۹۸۵ء میں نکالا، ان کی عمر ۸۵ر سال تھی، مشہور صحافی مولانا عبد الوحید صدیقی کے صاحبزادے تھے، ان کے بھائیوں میں جناب خالد صدیقی ایڈیٹر "پاکیزہ آنچل" اور جناب شاہد صدیقی ایڈیٹر "نئی دنیا" یہ سب معروف اردو صحافی ہیں، پسماندگان میں اہلیہ، ایک بیٹی اور پانچ بیٹے ہیں، پنچ پیراں قبرستان دہلی میں تدفین عمل میں آئی۔

☆**ڈاکٹر سید محمد علی الہاشمی** رابطہ ادب اسلامی کے بنیادی رکن اور ادیب و مصنف تھے، ۹۰ سال کی عمر میں ۲ر دسمبر ۲۰۱۵ء مطابق ۲۰ر صفر ۱۴۳۷ھ کو وفات پائی، انہوں نے قاہرہ یونیورسٹی مصر سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی تھی، ان کی مشہور کتابیں "شخصية الرسول و دعوته في القرآن الكريم"، "شخصية المسلم كما يصوغها الإسلام في الكتاب والسنة"، "شخصية المرأة المسلمة كما يصوغها الإسلام في الكتاب والسنة" ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔

☆**پروفیسر سلمان بیگ** (سابق پرنسپل انجینئرنگ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۵ء مطابق ۳ر ربیع الاول ۱۴۳۷ھ کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وفات پاگئے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ اور داعی و مبلغ تھے، دینی تعلیم کی خدمت وہ بطور نگراں مدرسہ اساس العلوم اور مدرسہ اسلام الحق للبنات کررہے تھے، ان کے ایک بیٹے حافظ ڈاکٹر سفیان بیگ اور ایک صاحبزادی ہیں، اور ڈاکٹر فیضان بیگ استاذ شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ان کے بھائی ہیں۔

☆**حاجی محمد یوسف**: والد محترم مولانا محمد اسحاق ندوی کارکن دفتر نظامت کا ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۵ء کو قطب پور بسواں سیتاپور میں ستر سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، تبلیغی جماعت سے ان کا گہرا تعلق تھا اور اپنی اولاد کو نماز کی پابندی پر بہت زور دیتے تھے، پسماندگان میں ۸ بیٹے اور ۷ بیٹیاں ہیں۔ بجلی محکمہ میں سرکاری ملازم تھے، ایمرجنسی کے زمانہ میں نسبندی کے مسئلہ میں انہوں نے ترک ملازمت کو ترجیح دی تھی اور اولاد کی تربیت میں دین کو ترجیح دی۔

☆**مولانا محمد اسحاق بھٹی**: نے ۲۲ر دسمبر ۲۰۱۵ء مطابق ۱۰ر ربیع الاول ۱۴۳۷ھ کو وفات پائی، فرید کوٹ مغربی پنجاب میں پیدا ہوئے تھے، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا داؤد غزنوی جیسے مشاہیر اہل علم سے انہوں نے علمی و دینی استفادہ کیا تھا، تحقیق وتصنیف میں ان کا نام بڑا معروف ہے، دس جلدوں میں ان کی کتاب "فقہاء ہند" علماء ومشاہیر برصغیر کے تذکرہ و حالات پر غیر معمولی کتاب ہے جس میں تین ہزار شخصیات کے احوال درج ہیں، ادارۂ ثقافت اسلامی رام پور سے ان کی وابستگی نے ان کو صرف اس ایک کتاب پر قانع نہیں ہونے دیا، وہ اپنے پیچھے کتابوں اور مقالات کا ایک غیر معمولی ذخیرہ چھوڑ کر دنیا سے گئے، ان کی عمر نوے سال تھی۔

☆**حاجی محمد شبیر تمبوری**: ۱۷ر جنوری ۲۰۱۶ء مطابق ۶ر ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ کو ۶۷ سال کی عمر میں وفات پائی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے، اپنے صاحبزادے مولانا مفتی محمد خبیر تمبوری کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم دلائی۔ ☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک شخص کے پاس سفرِ حج کے بقدر مال ہے لیکن ان کے پاس مکان نہیں ہے، اور وہ کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جن کے پاس ذاتی مکان نہ ہو ان پر حج فرض نہیں ہے، کیا یہ خیال صحیح ہے؟

جواب: اگر کسی کے پاس ضروریات کے علاوہ بقدرِ سفرِ حج مال موجود ہو، اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، خواہ وہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہو، حج فرض ہونے کے لیے ذاتی مکان ہونا ضروری نہیں ہے۔

[بدائع الصنائع: ۲/۲۹۸]

سوال: ایک صاحب مسکین تھے، ایک دوست نے مسکینی کی حالت میں اسے حج کرادیا، حسن اتفاق اب وہ مالدار ہوگئے ہیں، کیا اب ان کے لیے حج کرنا فرض ہے؟ یا پہلا حج جو حالت غربت میں ادا کیا ہے وہی کافی ہے؟

جواب: اگر مسکینی کی حالت میں اپنا حج فرض ادا کرلیا ہے تو اب دوبارہ حج کرنا ضروری نہیں بلکہ ادائے فرض کے لیے پہلا حج کافی ہے، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں صراحت کی ہے کہ فقیر نے کسی طرح حج کرلیا ہے اب اگر مالدار ہوگیا تو دوبارہ حج فرض لازم نہیں ہے۔

[بدائع الصنائع: ۳/۴۵]

صاحب منحة الخالق نے بھی حاشیہ البحر الرائق میں یہی صراحت کی ہے: "کالفقير اذا حج فانه يسقط عنه الفرض حتى لواستغنى لايجب عليه ان يحج"۔

[منحة الخالق علی البحر الرائق: ۲/۵۴۶]

سوال: جو لوگ مکۃ المکرّمہ پہونچ جاتے ہیں اور اپنی طرف یا والدین کی طرف سے عمرہ کرتے ہیں، کیا ان پر حج فرض ہوجاتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے کیا یہ خیال صحیح ہے؟

جواب: جو مکۃ المکرّمہ حج کے زمانہ یا اس سے قریب میں پہونچ جائے تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے چاہے اپنی طرف سے عمرہ کے لیے گیا ہو یا والدین کی طرف سے، ہاں! اگر حج کا زمانہ قریب نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا، اس لیے عمرہ کرلینے سے حج فرض نہیں ہوگا۔

[ردالمحتار: ۳/۴۵۹]

سوال: سفرِ حج پر جانے سے قبل کیا تمام حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے، سنا ہے کہ اس کے بغیر حج ادا نہیں ہوگا؟ بعض قرضے طویل المیعاد ہیں یا ان کی ادائیگی کے بعد ہی حج پر جاسکتے ہیں، جبکہ ابھی حج کرنے کی استطاعت ہے؟

جواب: حج ایسی عظیم الشان عبادت ہے کہ یہ پچھلے ایسے گناہوں کے لیے جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں، ان کے لیے کفارہ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حج پہلے گناہوں کو ختم کردیتا ہے: "الحج يهدم ما كان قبله" (صحیح مسلم، حدیث: ۱۹۲۱) اس لیے حج سے قبل تمام حقوق ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ حج مقبول حاصل ہو، لیکن جو قرضے طویل مدتوں میں ادا ہوتے ہیں ان کی وجہ سے حج سے نہیں رکنا چاہیے، اگر جلد ادا ہوجائیں تو ادا کردیے جائیں ورنہ حج فرض ہوتے ہی حج ادا کیا جائے۔

سوال: ایک شخص حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتا ہے چونکہ صوبہ اتر پردیش میں حجاج کی کثرت کی وجہ سے اکثر درخواست منظور نہیں ہوتی، اس لیے اگر کوئی شخص حیلہ کرکے اپنے کو کسی دوسرے صوبہ بنگال یا صوبہ بہار کا باشندہ ظاہر کرکے وہاں سے فارم بھرے اور منظور کرالے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ کیا یہ کذب میں داخل ہے یا نہیں؟ کیا اس طرح حج پر جانا درست ہوگا؟

جواب: اگر دوسرے صوبہ میں کچھ مدت رہا ہو یا رہتا ہو تو اس کی طرف انتساب کی گنجائش ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہوتی ہو: "شرط المعارض المباحة أن لايضيع بها حق أحد".

[شرح مسلم للنووی علی المسلم: ۲/۲۰۹]

سوال: کیا کوئی عورت محرم نہ ہونے کی وجہ سے دوسری عورتوں کے ساتھ جن کے محرم ہیں، سفرِ حج پر جاسکتی ہیں، کیا بوڑھی اور جوان عورتوں کے حکم میں کوئی فرق ہے؟

جواب: سفرِ حج انتہائی مبارک سفر ہے، اس سفر کو ہر طرح کے گناہوں اور ممنوع چیزوں سے پاک ہونا چاہیے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی عورت سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو، [بخاری ومسلم] اس حدیث میں بوڑھی اور جوان کا فرق نہیں ہے، اسی لیے فقہاء احناف کہتے ہیں کہ عورت کے لیے بغیر محرم کے سفرِ حج پر جانا جائز نہیں ہے خواہ بوڑھی ہو یا جوان۔

[البحر الرائق: ۲/۲۵۵]

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

تاریخ ۱۳ر شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

باسمہٖ تعالیٰ

Date 01/06/2015

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل و عریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی و نظامت میں اگر احباب و مخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وما ذلك على الله بعزيز.

(مولانا مفتی) محمد ظہور ندوی	(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء	معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

(عطیات) **A/C NO. 10863759711**

(زکوٰۃ) **A/C NO.10863759766** (State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG,LUCKNOW- 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.